Kashmir Treasure Collection Digitization by eGangotri

دیوانِ میر

दीवान-ए-मीर

جلد دوم

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

51749

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

دیوانِ میر

جلد دوم

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

حالاتِ میر تقی میر

Acc. No:- 9224

مرتبۂ

سردار جعفری

سردار جعفری
۱۰۔ سیتا محل، بومن جی پیٹیٹ روڈ
ممبئی ۴۰۰۰۳۶

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

RRMR
9224

افسانہ

حقیقت

شاعری

فرہنگ

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

افسانہ

میر تقی میرؔ کا سب سے دلچسپ تذکرہ، اردو شاعری کی جدید تحریک کے بانی محمد حسین آزاد (سنہ ۱۸۳۳ء تا سنہ ۱۹۱۰ء) نے اپنی مشہور کتاب «آب حیات» میں لکھا ہے، حالانکہ بیشتر واقعات کی سند تاریخی شواہد سے نہیں ملتی، اور بہت سے واقعات میر کی آپ بیتی «ذکر میر» کے بیانات سے غلط ثابت ہوچکے ہیں، پھر بھی اُن میں میر کے کردار اور شخصیت کی جیتی جاگتی تصویریں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں. میر کا افسانوی روپ اس سے بہتر نہیں ہوسکتا تھا. آزاد کی زبان میں جو لطافت اور بیان میں جو چاشنی ہے وہ بھی کہیں اور نہیں ملے گی. اس لئے اس تحریر کا حوالہ دینے سے کہیں بہتر ہے کہ اس کے بعض اہم اقتباسات پیش کردئے جائیں.

«میر تخلص، محمد تقی نام، خلفِ میر عبد اللہ، شرفائے اکبر آباد سے تھے. سراج الدین علی خاں آرزو، زبان فارسی کے معتبر مصنف اور مسلّم الثبوت محقق ہندستان میں تھے. گلزار ابراہیمی میں لکھا ہے کہ میر صاحب کا ان سے دور کا رشتہ تھا اور تربیت کی نظر پائی تھی. عوام میں ان کے بھانجے مشہور ہیں، در حقیقت بیٹے میر عبد اللہ کے تھے مگر ان کی پہلی بیوی سے تھے. وہ مرگئیں تو خانِ آرزو کی ہمشیرہ سے شادی کی تھی. اس لئے سوتیلے بھانجے ہوئے» (میر نے اپنی آپ بیتی میں خانِ آرزو کے سگے بھانجے کو اپنا بڑا بھائی لکھا ہے) «میر صاحب کو ابتدا سے شعر کا شوق تھا. باپ کے مرنے کے بعد دلّی میں آئے اور خان آرزو کے پاس انہوں نے اور ان کی شاعری نے پرورش پائی، مگر خان صاحب حنفی مذہب تھے اور میر صاحب شیعہ. اس پر نازک مزاجی غضب کی. غرض کسی مسئلے پر بگڑ کر الگ ہوگئے.» (یہ بات بھی تصدیق طلب ہے کہ ماموں بھانجے کا اختلاف مذہبی بنیاد پر تھا) «بد نظر زمانے کا دستور ہے

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

کہ جب کسی نیک نام کے دامن شہرت کو ہوا میں اڑتے دیکھتا ہے تو ایک داغ لگا دیتا ہے . چنانچہ تذکرۂ شورش میں لکھا ہے کہ خطابِ سیادت انہیں شاعری کی درگاہ سے عطا ہوا ہے . کہنہ سال بزرگوں سے بھی یہ سنا ہے کہ جب انہوں نے میر تخلص کیا تو ان کے والد نے منع کیا کہ ایسا نہ کرو، ایک دن خواہ مخواہ سید مشہور ہوجاؤگے » (والد کے انتقال کے وقت میر کی عمر دس گیارہ سال کی تھی اس لئے یہ بیان بھی مشکوک ہے) « اس وقت انہوں نے خیال نہ کیا، رفتہ رفتہ ہوہی گئے .

« . . . پھر بھی اتنا کہنا واجب سمجھتا ہوں کہ ان کی مسکینی غربت اور صبر و قناعت، تقویٰ و طہارت محضر بنا کر ادائے شہادت کرتے ہیں کہ سیادت میں شبہ نہ کرنا چاہیے . اور زمانے کا کیا ہے، کس کس کو کیا نہیں کہتا. اگر وہ سید نہ ہوتے تو خود کیوں کہتے :

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں
اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

« یہ بھی ظاہر ہے کہ نحوست اور فلاکت قدیم سے اہلِ کمال کے سر پر سایہ کیے ہیں . ساتھ اس کے میر صاحب کی بلند نظری اس غضب کی تھی کہ دنیا کی کوئی بڑائی اور کسی کا کمال یا بزرگی اُنہیں بڑی دکھائی نہ دیتی تھی . اس قباحت نے نازک مزاج بنا کر ہمیشہ دنیا کی راحت اور فارغ البالی سے محروم رکھا اور وہ وضع داری اور قناعت کے دھوکے میں اسے فخر سمجھتے رہے » (اس بیان میں تھوڑا سا مبالغہ ہے)

« . . . اگرچہ دلی میں شاہ عالم کا دربار، اور شرفا کی محفلوں میں ادب، ہر وقت ان کے لئے جگہ خالی کرتا تھا اور ان کے جوہر کمال اور نیکیِ اطوار و اعمال کے سبب سے' سب عظمت کرتے تھے، مگر خالی آدابوں سے خاندان تو نہیں پل سکتے اور وہاں تو خود خزانۂ سلطنت خالی پڑا تھا اس لئے سنہ ۱۱۹۰ ھ میں دلی چھوڑنی پڑی .

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

«جب لکھنو چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہوگئے تو دلی کو خدا حافظ کہا» (یہ بے بنیاد بات ہے کرائے کی رقم نواب آصف الدولہ نے بھیج دی تھی) «تھوڑی دور آگے چل کر اس شخص نے کچھ بات کی. یہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر ہو بیٹھے. کچھ دیر کے بعد اس نے پھر بات کی. میر صاحب چیں بہ جبیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے بیشک گاڑی میں بیٹھیے مگر باتوں سے کیا تعلق. اس نے کہا حضرت کیا مضائقہ ہے راہ کا شغل ہے، باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے. میر صاحب بگڑ کر بولے خیر آپ کا شغل ہے، میری زبان خراب ہوتی ہے.

«لکھنو میں پہونچ کر جیسا مسافروں کا دستور ہے ایک سرا میں اترے. معلوم ہوا کہ یہاں آج ایک جگہ مشاعرہ ہے. رہ نہ سکے اسی وقت غزل لکھی اور مشاعرے میں جاکر شامل ہوئے ان کی وضع قدیمانہ، کھڑکی دار پگڑی، پچاس گز کے گھیر کا جامہ ایک پورا تھان پستولیے کا کمر سے بندھا، ایک رومال پٹڑی دار تہ کیا ہوا اس میں آویزاں مشروع کا پاجامہ، جس کی عرض کے پائینچے، ناگ پھنی کی انی دارجوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اونچی نوک، کمر میں ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار، دوسری طرف کٹار، ہاتھ میں جریب، غرض جب داخل محفل ہوئے تو وہ شہر لکھنو، نئے انداز، نئی تراشیں، بانکے ٹیڑھے جوان جمع، انہیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے میر صاحب بچارے غریب الوطن، زمانے کے ہاتھ سے پہلے ہی دل شکستہ تھے، اور بھی دل تنگ ہوئے اور ایک طرف بیٹھ گئے شمع ان کے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی، اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہاں ہے. میر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ کر غزل طرحی میں داخل کیا:

کیا بود و باش پوچھو ہو، پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

دلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

«سب کو حال معلوم ہوا. بہت معذرت کی اور میرصاحب سے عفوِ تقصیر چاہی. کمال کے طالب تھے. صبح ہوتے ہوتے شہر میں مشہور ہوگیا کہ میر صاحب تشریف لائے ہیں. رفتہ رفتہ نواب آصف‌الدولہ نے سنا اور دو سو روپیہ مہینہ کر دیا» (یہ محض افسانہ ہے. یہ اشعار بھی میر کے نہیں ہیں. وہ نواب آصف الدولہ کی دعوت پر لکھنؤ گئے تھے اور اس بےبسی اور مظلومی کے عالم میں وارد نہیں ہوئے تھے. ممکن ہے آزاد نے جو حلیہ میر صاحب کا لکھا ہے وہ صحیح ہو)

«عظمت و اعزاز جوہرِ کمال کے خادم ہیں. اگرچہ انہوں نے لکھنؤ میں بھی میر صاحب کا ساتھ نہیں چھوڑا مگر انہوں نے بدماغی اور ناک مزاجی کو جو اُن کے ذاتی مصاحب تھے اپنے دم کے ساتھ ہی رکھا. چنانچہ کبھی کبھی نواب کی ملازمت میں جاتے تھے.

«ایک دن نواب مرحوم نے غزل کی فرمائش کی. دوسرے تیسرے دن جو پھر گئے تو پوچھا کہ میر صاحب ہماری غزل لائے میر صاحب نے تیوری بدل کر کہا، جناب عالی مضمون غلام کی جیب میں تو بھرے نہیں کے کل آپ نے فرمائش کی آج غزل حاضر کردے. اس فرشتہ خصال نے کہا. خیر میر صاحب جب طبیعت حاضر ہوگی کہہ دیجئے گا.

« ایک دن نواب نے بلا بھیجا جب پہونچے تو دیکھا کہ نواب حوض کے کنارے کھڑے ہیں. ہاتھ میں چھڑی ہے. پانی میں لال سبز مچھلیاں تیرتی پھرتی ہیں. آپ تماشہ دیکھ رہے ہیں. میر صاحب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور کہا کہ میر صاحب کچھ فرمائیے میر صاحب نے غزل سنانی شروع کی. نواب صاحب

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

سنتے جاتے تھے اور چھڑی کے ساتھ مچھلیوں سے بھی کھیلتے جاتے تھے. میر صاحب چیں بہ جبیں ہوتے اور ہر شعر پر ٹھہر جاتے تھے. نواب صاحب کہے جاتے تھے کہ ہاں پڑھیے آخر چار شعر پڑھ کر میر صاحب ٹھہر گئے اور بولے کہ پڑھوں کیا، آپ مچھلیوں سے کھیلتے ہیں، متوجہ ہوں تو پڑھوں. نواب نے کہا جو شعر ہوگا آپ متوجہ کرلے گا. میر صاحب کو یہ بات زیادہ تر ناگوار گذری، غزل جیب میں ڈال کر گھر کو چلے آئے اور پھر جانا چھوڑ دیا. چند روز کے بعد ایک دن بازار میں چلے جاتے تھے. نواب کی سواری سامنے سے آگئی. دیکھتے ہی نہایت محبت سے بولے، میر صاحب آپ نے بالکل ہی ہمیں چھوڑ دیا، کبھی تشریف بھی نہیں لاتے. میر صاحب نے کہا بازار میں باتیں کرنا آداب شرفا نہیں. یہ کیا گفتگو کا موقع ہے. غرض بدستور اپنے گھر میں بیٹھے رہے اور فقرو فاقہ میں گزارتے رہے» (اس واقعے کی تصدیق بھی کسی دوسرے ذریعے سے نہیں ہوتی. میر صاحب تنک مزاج ضرور تھے لیکن درباروں کے آداب سے پوری طرح واقف تھے. یہ کہانی میر صاحب کے کردار کے ایک نازک پہلو کا افسانوی روپ ہے)

«میر صاحب، میانہ قد، لاغراندام، گندمی رنگ تھے. ہر کام متانت اور آہستگی کے ساتھ. بات بہت کم وہ بھی آہستہ. آواز میں نرمی اور ملائمت. ضعیفی نے ان سب صفتوں کو اور بھی قوی کیا تھا کیونکہ سو برس کی عمر آخر ایک اثر رکھتی ہے» (میر نے ۸۸ برس کی عمر پائی تھی. چاند کے مہینوں کے حساب سے ۹۰ سمجھی جاسکتی ہے)

«عادات و اطوار نہایت سنجیدہ اور متین اور صلاحیت اور پرہیز گاری نے اسے عظمت دی تھی. ساتھ اس کے قناعت اور غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی. اس کا نتیجہ ہے کہ اطاعت تو درکنار نوکری کے نام کی برداشت نہ رکھتے تھے. لیکن زمانہ جس کی حکومت سے کوئی سر نہیں اُٹھا سکتا اس کا قانون اس

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

کے بالکل برخلاف ہے. نتیجہ یہ کہ فاقے کرتے تھے، دکھ بھرتے تھے اور اپنی بددماغی کے سائے میں دنیا اور اہل دنیا سے بیزار گھر میں بیٹھے رہتے تھے. ان شکایتوں کے لوگوں میں جو چرچے تھے وہ خود بھی اس سے واقف تھے» (میر نازک مزاج ضرور تھے لیکن اس بیان سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ انہوں نے کبھی کہیں نوکری نہیں کی. نہ صرف یہ کہ وہ مصاحب اور نوکر رہے بلکہ انہوں نے سفارت کے فرائض بھی انجام دئے ہیں. بعض لڑائیوں میں بھی امرا کے ساتھ رہتے تھے)

«باوجود اس کے اپنے سرمایۂ فصاحت کو دولت لازوال سمجھ کر امیر غریب کسی کی پروا نہ کرتے تھے بلکہ فقر کو دین کی نعمت تصور کرتے تھے اور اس عالم میں معرفت الٰہی پر دل لگاتے تھے. چنانچہ ان کی اس ثابت قدمی کا وصف کسی زبان سے نہیں ادا ہوسکتا کہ اپنی بے نیازی اور بے پرواہی کے ساتھ دنیا کی مصیبتیں جھلیں، اور جو اپنی آن بان تھی اسے لئے دنیا سے چلے گئے اور جس گردن کو خدا نے بلند کیا تھا سیدھا خدا کے ہاں لے گئے. چند روزہ عیش کے لالچ سے یا مفاسی کے دکھ سے اسے دنیا کے نااہلوں کے سامنے ہرگز نہ جھکایا. ان کا کلام کہے دیتا ہے کہ دل کی کلی اور تیوری کی گرہ کبھی کھلی نہیں. باوجود اس کے اپنے ملک خیال کے ایک بلند نظر بادشاہ تھے.

«...... ان کے خیالات عالی اور حوصلے بڑے تھے اس لئے یہ بے دماغیان ان کے جوہر کمال پر زیور معلوم ہوتی ہیں... میر قمرالدین منت دلی میں ایک شاعر گزرے ہیں کہ علوم رسمی کی قابلیت سے عمائد دربار شاہی میں تھے. وہ میر صاحب کے زمانے میں مبتدی تھے. شعر کا شوق بہت تھا. اصلاح کے لئے اردو کی غزل لے گئے. میر صاحب نے وطن پوچھا. انہوں نے سونی‌پت علاقہ پانی‌پت بتلایا. آپ نے فرمایا سید صاحب اردوئے معلیٰ خاص دلی کی زبان ہے، آپ اس میں تکلیف نہ کیجئے،

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

اپنی فارسی وارسی کہہ لیا کیجئے۔

«سعادت یار خاں رنگین نواب طہماسپ بیگ خان قلعدار شاہی کے بیٹے تھے۔ چودہ پندرہ برس کی عمر تھی۔ بڑی شان و شوکت سے گئے اور غزل اصلاح کے لئے پیش کی، سن کر کہا صاحبزادے آپ خود امیر ہیں اور امیرزادے ہیں، نیزہ بازی، تیر اندازی کی کسرت کیجئے۔ شہدسواری کی مشق فرمائیے،، شاعری دلخراشی اور جگر سوزی کا کام ہے۔ آپ اس کے درپے نہ ہوں۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو فرمایا کہ آپ کی طبیعت اس فن کے مناسب نہیں۔ یہ آپ کو نہیں آنے کا خوہ مخواہ میری اور اپنی اوقات ضائع کرنا کیا ضرور ہے۔

«دلی میں میر صاحب نے ایک مثنوی کہی۔ اپنے تئیں اژدہا قرار دیا اور شعرائے عصر میں سے کسی کو چوہا، کسی کو سانپ، کسی کو بچھو، کسی کو کھنکھجورا وغیرہ ٹھہرایا۔ ساتھ اس کے ایک حکایت لکھی کہ دامن کوہ میں ایک خونخوار اژدہا رہتا تھا۔ جنگل کے حشرات الارض جمع ہوکر لڑنے گئے جب سامنا ہوا تو اژدہے نے ایسا دم بھرا کہ سب فنا ہوگئے۔

«لکھنو میں کسی نے پوچھا کیوں حضرت آج کل شاعر کون ہے۔ کہا ایک تو سودا، دوسرا یہ خاکسار ہے اور تامل کرکے کہا، آدھے خواجہ میر درد۔ کوئی شخص بولا، کہ حضرت اور میر سوز صاحب۔ چیں بہ جبیں ہو کر کہا کہ میر سوز صاحب بھی شاعر ہیں؟ انہوں نے کہا آخر استاد نواب آصف الدولہ کے ہیں کہا کہ خیر یہ ہے تو پونے تین سہی، مگر شرفا میں ایسے تخلص ہم نے کبھی نہیں سنے۔ میر صاحب کے سامنے مجال کس کی تھی جو کہے کہ ان بیچارے نے میر تخلص کیا تھا وہ آپ نے چھین لیا۔ ناچار اب انہوں نے ایسا تخلص اختیار کیا کہ نہ آپ کو پسند آئے نہ آپ اسے چھینیں۔

«لکھنو کے چند عمائد و اراکین جمع ہوکر ایک دن آئے کہ میر صاحب سے ملاقات کریں اور اشعار سنیں۔ دروازے پر آکر

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

آواز دی۔ لونڈی یا ماما نکلی، حال پوچھ کر اندر گئی، ایک بوریا لا کر ڈیوڑھی میں بچھایا، انہیں بٹھایا اور ایک پرانا سا حقّہ تازہ کر کے سامنے رکھ گئی۔ میر صاحب اندر سے تشریف لائے۔ مزاج پرسی وغیرہ کے بعد انہوں نے فرمائشِ اشعار کی۔ میر صاحب نے اول کچھ ٹالا پھر صاف جواب دیا کہ صاحب قبلہ میرے اشعار آپ کی سمجھ میں نہیں آنے کے۔ اگرچہ ناگوار ہوا مگر بنظر آداب و اخلاق انہوں نے نارسائی طبع کا اقرار کیا اور پھر درخواست کی۔ انہوں نے پھر انکار کیا۔ آخر ان لوگوں نے گراں خاطر ہو کر کہا کہ حضرت انوری و خاقانی کا کلام سمجھتے ہیں آپ کا ارشاد کیوں نہ سمجھیں گے۔ میر صاحب نے کہا کہ یہ درست ہے مگر ان کی شرحیں، مصطلحات اور فرہنگیں موجود ہیں اور میرے کلام کے لئے فقط محاورۂ اہل اردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاں اور اس سے آپ محروم۔ یہ کہہ کر ایک شعر پڑھا:

عشق برے ہی خیال پڑا ہے، چین گیا آرام گیا
دل کا جانا ٹھہر گیا ہے۔ صبح گیا یا شام گیا

«اور کہا آپ بموجب اپنی کتابوں کے کہیں گے کہ خیال کی ی کو ظاہر کرو اور پھر کہیں گے کہ ی تقطیع میں گرتی ہے مگر یہاں اس کے سوا جواب نہیں کہ محاورہ یہی ہے۔

«جب نواب آصف الدولہ مرگئے سعادت علی خاں کا دور ہوا تو یہ دربار جانا چھوڑ چکے تھے۔ وہاں کسی نے طلب نہ کیا۔ ایک دن نواب کی سواری سامنے جاتی تھی۔ یہ تحسین کی مسجد پر سر راہ بیٹھے تھے۔ سواری سامنے آئی۔ سب اٹھ کھڑے ہوئے میر صاحب اسی طرح بیٹھے رہے سید انشاء خواصی میں تھے۔ نواب نے پوچھا کہ انشاء یہ کون شخص ہے جس کی تمکنت نے اسے اٹھنے بھی نہ دیا۔ عرض کی جناب عالی یہ وہی گدائے متکبر ہے جس کا ذکر حضور میں اکثر آیا ہے، گزارے کا وہ حال اور مزاج کا یہ عالم، آج بھی فاقے ہی سے ہوگا۔ سعادت علی خاں

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

نے آکر خلعت بحالی اور ایک ہزار روپیہ دعوت کا بھیجوایا ۔ جب چوبدار لے کر گیا ، میر صاحب نے واپس کر دیا اور کہا کہ مسجد میں بھیجوائیے ، یہ گنہگار اتنا محتاج نہیں ۔ سعادت علی خان جواب سن کر متعجب ہوئے ۔ مصاحبوں نے پھر سمجھایا ۔ غرض نواب کے حکم سے سید انشاء خلعت لے کر گئے اور اپنے طرز پر سمجھایا کہ نہ اپنے حال پر بلکہ عیال پر رحم کیجئے اور بادشاہ وقت کا ہدیہ ہے اسے قبول فرمائیے ۔ میرصاحب نے کہا کہ صاحب وہ اپنے ملک کے بادشاہ ہیں میں اپنے ملک کا بادشاہ ہوں ۔ کوئی ناواقف ، اس طرح پیش آتا تو مجھے شکایت نہ تھی ۔ وہ مجھ سے واقف میرے حال سے واقف ، اس پر اتنے دنوں کے بعد ایک دس روپے کے خدمات گار کے ہاتھ خلعت بھیجا ، مجھے اپنا فقروفاقہ قبول ہے مگر یہ ذلت نہیں اٹھائی جاتی ۔ سید انشا کی لسانی اور لفاظی کے سامنے کس کی پیش جا سکتی ، میر صاحب نے قبول فرمایا اور دربار میں بھی کبھی کبھی جانے لگے ۔ نواب سعادت علی خان مرحوم ان کی ایسی خاطر کرتے تھے کہ اپنے سامنے بیٹھنے کی اجازت دیتے تھے اور اپنا پیچوان پینے کو عنایت کرتے تھے» (شاید یہ واقعہ بھی آزاد نے بزرگوں سے سنا ہوگا اس کی بھی کوئی تصدیق نہیں ہوسکی ۔ اس کے برعکس یہ شہادت ملتی ہے کہ میر کی تنخواہ آخر وقت تک جاری رہی)

« میر صاحب کو بہت تکلیف میں دیکھ کر لکھنؤ کے ایک نواب انہیں مع عیال اپنے گھر لے گئے اور محل سرا کے پاس ایک معقول مکان رہنے کو دیا کہ نشست کے مکان میں کھڑکیاں باغ کی طرف تھیں ۔ مطلب اس سے یہی تھا کہ ہر طرح ان کی طبیعت خوش اور شگفتہ رہے ۔ یہ جس دن وہاں آکر رہے کھڑکیاں بند پڑی تھیں ۔ کئی برس گزر گئے ۔ اسی طرح بند پڑی رہیں ۔ کبھی کھول کر باغ کی طرف نہ دیکھا ۔ ایک دن کوئی دوست آئے ۔ انہوں نے کہا کہ ادھر باغ ہے ، آپ کھڑکیاں کھول کر کیوں نہیں بیٹھتے ۔ میر صاحب بولے کیا ادھر باغ بھی ہے ۔ انہوں نے کہا کہ اسی لئے نواب یہاں لائے ہیں کہ جی بہلتا

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

رہے اور دل شگفتہ ہو۔ میر صاحب کے پھٹے پرانے مسودے غزلوں کے پڑے تھے۔ ان کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ میں تو اس باغ کی فکر میں ایسا لگا ہوں کہ اس باغ کی خبر ہی نہیں۔ یہ کہہ کر چپکے ہو رہے» (میر کی زندگی میں گوشہ نشینی کے دور بھی آئے ہیں۔ مگر وہ ایسے گوشہ نشین نہیں تھے)

«کیا محویت ہے۔ کئی برس گزر جائیں۔ پہلو میں باغ ہو اور کھڑکی تک نہ کھولیں۔ خیر ثمرہ اس کا یہ ہوا کہ انہوں نے دنیا کے باغ کی طرف نہ دیکھا۔ خدا نے ان کے کلام کو وہ بہار دی کہ سالہا سال گزر گئے آج تک لوگ ورق الٹتے ہیں اور گلزار سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

«استاد مرحوم (ذوق) ایک دیرینہ سال شخص کی زبانی بیان کرتے تھے کہ ایک دن میر صاحب کے پاس گئے۔ نکلتے جاڑے تھے۔ بہار کی آمد تھی۔ دیکھا کہ ٹہل رہے ہیں۔ چہرے پر افسردگی کا عالم ہے۔ اور وہ رہ رہ کر یہ مصرعہ پڑھتے تھے:

اب کی بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے

یہ سلام کرکے بیٹھ گئے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اٹھے اور سلام کرکے چلے آئے۔ میر صاحب کو خبر بھی نہ ہوئی۔ خدا جانے دوسرے مصرعے کی فکر میں تھے یا اس مصرعے کی کیفیت میں محو تھے» (ممکن ہے کہ یہ واقعہ صحیح ہو لیکن مصرعہ میر کا نہیں ہے۔ سودا کا شعر ہے: اب کی بھی دن بہار کے یوں ہی چلے گئے — پھر پھر گل آچکے پہ سجن تم بھلے گئے)

«گورنر جنرل اور اکثر صاحبانِ عالیشان جب لکھنؤ میں جاتے تو اپنی قدردانی سے یا اس سبب سے کہ میر منشی علو حوصلہ سے ایک صاحب کمال کی تقریب واجب سمجھتے تھے، میر صاحب کو ملاقات کے لئے بلاتے لیکن یہ پہلو تہی کرتے اور کہتے کہ مجھ سے جو کوئی ملتا ہے تو یا مجھ فقیر کے خاندان کے خیال سے یا میرے کلام کے سبب سے ملتا ہے۔ صاحب کو خاندان سے غرض نہیں، میرا کلام سمجھتے نہیں، البتہ کچھ انعام دیں گے۔

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

ایسی ملاقات سے ذلت کے سوا کیا حاصل۔

« . . . مرزا رفیع سودا ، خواجہ میر درد ، مرزا جان جاناں، نصیر ، قائم ، یقین وغیرہ ان کے ہم عصر تھے اور مصحفی ، جراءت اور میر انشاء اللہ خاں نے آخر عہد میں ظہور کیا » .

(اقتباسات از « آبِ حیات » محمد حسین آزاد)

حقیقت

میر کی آپ بیتی « ذکر میر » کے مطابق اُن کے دادا آگرے میں فوجدار تھے اور باپ محمد علی ، مشہور صوفی فقیر ، ان دونوں کی صحیح حیثیت کا پتہ لگانا تقریباً ناممکن ہے کیونکہ میر کے عہد کی تاریخوں اور تذکروں میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس لئے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ان کے باپ اتنے مشہور نہیں تھے جتنا میر نے اپنے جوش عقیدت میں لکھ دیا ہے۔ بہرحال یہ یقینی ہے کہ میر نے افلاس اور تنگدستی کی گود میں آنکھ کھولی (سنہ ۱۷۲۲ء) اور صبر و قناعت کے گہوارے میں پرورش پائی ، ذہنی ورثے میں ان کو تصوف کے بعض خیالات اور چچا کا پاگل پن ملا جس نے آگے چل کر گل کھلایا اور جوانی کی ابتدائی بہاریں دیوانگی کی نذر ہوگئیں۔

میر نے اپنی ماں کے بارے میں کچھ نہیں لکھا ہے لیکن اپنے سوتیلے بھائی محمد حسن کا ذکر جس انداز سے کیا ہے وہ اس پر شاہد ہے کہ یہ گھرانہ خوش و خرم نہیں ہوسکتا تھا۔ جب ان کے باپ کا انتقال ہوا تو وہ تین سو روپے کے مقروض تھے۔ اور انہوں نے اپنے ترکے میں چند سو کتابوں کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا اور ان کتابوں پر میر کے سوتیلے بھائی نے قبضہ کرلیا اور میر نے باپ کے ایک مرید کی بھیجی ہوئی پانسو روپے کی ہنڈی سے قرض ادا کرکے باپ کی لاش دفن کی۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ برس کی رہی ہوگی۔ یہ واقعات اس قدر تکلیف دہ

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

ہیں کہ اگر ان کا اثر میر کے مزاج اور ذہنیت پر تمام عمر رہا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

میر کا بچپن جو کھیل کود اور تعلیم و تربیت میں صرف ہونا چاہیے تھا تلاش روزگار میں گزر گیا۔ یہی تلاش ان کو سولہ سترہ برس کی عمر میں دلّی لے گئی۔ یہ محمد شاہ کی حکومت کا زمانہ تھا۔ اس کے ایک درباری امیر الامرا صمصام الدولہ تک میر کی رسائی ہوگئی اور ایک روپیہ روزانہ وظیفہ مقرر ہوگیا۔ میر یہ وظیفہ لے کر آگرے واپس آگئے۔

لیکن یہ ایک روپئے روزانہ کی فراغت چند روزہ ثابت ہوئی، مشکل سے ایک سال گزرا تھا کہ نادر شاہ نے دلّی پر حملہ کردیا (مارچ سنہ ۱۷۳۹ء) اور میر کے مربی اور سرپرست امیر الامرا صمصام الدولہ لڑائی میں کام آگئے، ان کی موت نے میر کو پھر فاقہ کشی کی زندگی کی طرف ڈھکیل دیا اور وہ اپنے وطن آگرے کو ایک بار اور چھوڑنے پر مجبور ہوگئے۔

اس بار صرف روزگار کی تلاش ہی کا سوال نہیں تھا۔ میر اپنے سینے میں ایک زخمی دل لیے جارہے تھے۔ آگرے کی زمین جو کوئے جاناں تھی اب کوچۂ قاتل میں تبدیل ہوچکی تھی اور میر کے لئے وہاں رہنا محال تھا۔ ان پر کسی پری چہرہ معشوق نے جادو کردیا تھا۔ اس کا نام آج بھی پردے میں ہے لیکن اتنا کہا جاسکتا ہے کہ عشق کی آگ دونوں دلوں میں لگی اور محبت کی پینگیں بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہونچ گئیں کہ رسوائی اور بدنامی ہونے لگی۔ دیواریں درمیان میں حائل ہوئیں اور وصال کی شامیں ہجر کی راتوں میں ڈھل گئیں اور میر کو اپنا عزیز وطن ترک کرنے پر مجبور ہونا پڑا:

جیسے حسرت لیے جاتا ہے جہان سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا

معلوم نہیں میر کی معشوقہ کیسی تھی لیکن ان کی شاعری میں جو حسین جسم ٹکڑے ٹکڑے ہوکر بکھر گیا ہے اس میں یقیناً اس

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے :

کیا تنِ نازک ہے جاں کو بھی حسد جس تن پہ ہے
کیا بدن کا رنگ ہے، تہ جس کی پیراہن پہ ہے

شوقِ قامت میں ترے اے نونہال
گل کی شاخیں لیتی ہیں انگڑائیاں

صبح وہ آفت اٹھ بیٹھا تھا، تم نے نہ دیکھا صد افسوس
کیا کیا فتنے سر جوڑے، پلکوں کے سائے سائے گئے

نازکی اس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

میر اُن نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

گل ہو، مہتاب ہو، آئینہ ہو، خورشید ہو، میر
اپنا محبوب وہی ہے، جو ادا رکھتا ہو

اب دل میں غمِ عشق اور غمِ روزگار دونوں کی آگ بھڑک رہی تھی اور یہ دونوں غم اس طرح گھل مل گئے تھے کہ پھر عمر بھر یہ پتہ نہ چلا کہ میر نے اپنے کس شعر میں کون سا غم پیش کیا ہے۔ یہ میر کی زندگی کا سب سے دردناک سفر تھا اور اس کا حال انہوں نے اپنی ایک مثنوی میں بیان کیا ہے۔ اس مثنوی ہی سے عشق کی طرف اشارہ ملتا ہے جس کی تصدیق میر کے بجائے اُن کے ایک ہم عصر نے کی ہے :

خوشا حال اس کا جو معدوم ہے
کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
رہیں جانِ غم ناک کو کاہشیں
گئیں دل سے نومید سو خواہشیں
زمانے نے رکھا مجھے متصل
پراگندہ روزی، پراگندہ دل
گئی کب پریشانئ روزگار
رہا میں تو ہم طالعِ زلفِ یار

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

زمانے نے آوارہ چاہا مجھے
مری بے کسی نے نباہا مجھے
دل اک بار، سو بیقرارِ بتاں
غبارِ سرِ رہ گذارِ بتاں
گرفتارِ رنج و مصیبت رہا
غریبِ دیارِ محبت رہا
چلا اکبر آباد سے جس گھڑی
در و بام پر چشم حسرت پڑی
کہ ترکِ وطن پہلے کیوں کر کروں
مگر ہر قدم دل کو پتھر کروں
پس از قطعِ رہ، لائے دلی میں بخت
بہت کھینچے یاں میں نے آزار سخت
جگر جورِ گردوں سے خوں ہوگیا
مجھے رکتے رکتے جنوں ہوگیا

میر اس بار دلیؔ پہونچے تو وہاں کے گلی کوچوں میں خاک اُڑ رہی تھی۔ یہ ہندستان کی راجدھانی نہیں تھی بلکہ نادر شاہ کی لوٹی ہوئی نگری تھی۔ تین دن کے قتل عام (۱۱، ۱۲، ۱۳، مارچ سنہ ۱۷۳۹ء) میں تیس ہزار سے زیادہ آدمی مارے جاچکے تھے۔ اور آٹھ مغل تاجداروں کے جمع کیے ہوئے خزانے نادر شاہ دس ہزار اونٹوں، دس ہزار گھوڑوں اور تین ہزار جنگی ہاتھیوں پر لاد کر لے گیا۔ امیر تو امیر خود دلی کا بادشاہ تک فقیر ہوگیا تھا:

کیا کہیے اپنے عہد میں جتنے امیر تھے
ٹکڑے پہ جان دیتے تھے، سارے فقیر تھے

اس عالم میں میر کی مدد کون کرسکتا تھا۔ مجبوراً انہیں اپنے سوتیلے بھائی کے ماموں سراج الدین خانِ آرزو کا احسان اٹھانا پڑا۔ وہ اپنے عہد کے بہت بڑے عالم اور شاعر تھے اور عربی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے ماہر، میر نے خود اس کا اعتراف کبھی نہیں کیا لیکن اُن کے بعض ہم عصروں نے اُن کو خانِ آرزو کا شاگرد

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

قرار دیا ہے۔ بہرحال اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ انہوں نے خانِ آرزو کی صحبت سے فائدہ اٹھایا اور ان سے شعر و فن کے بہت سے نکتے سیکھے۔ میر کے کلام میں اس کی داخلی شہادتیں موجود ہیں۔

یہ صحبت، معلوم نہیں، کتنے عرصے رہی۔ میر نے لکھا ہے کہ «کچھ دن ان کے ساتھ رہا» لیکن یہ کچھ دن کچھ مہینے بھی ہوسکتے ہیں اور کچھ سال بھی، بہرحال میر مستقل خانِ آرزو کے ساتھ نہ رہ سکے۔ ان دونوں کے درمیان ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا جس کی تفصیلات کا صحیح علم نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو مذہبی اختلاف قرار دیا ہے اور میر نے اپنے سوتیلے بھائی کی سازش، جنہوں نے خانِ آرزو کو یہ لکھا کہ «میر فتنۂ روزگار ہے اور اس کی تربیت ہرگز نہ کرنی چاہیے بلکہ دوستی کے پردے میں کام تمام کردینا چاہیے» میر نے خانِ آرزو کی بدسلوکی کی شکایت کی ہے یہاں تک کہ حالات اتنے ناقابل برداشت ہوگئے کہ میر اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے۔

اس دیوانگی کے عالم میں جب چاندنی راتیں آتیں تو ایک حسین پیکر اپنی تمام رعنائیوں کے ساتھ کرۂ قمر سے نیچے اترتا اور میر کو بے خود کردیتا تھا۔ چاروں طرف اس کی شکل نظر آتی تھی۔ صبح ہوتے وہ شکل نظروں سے اوجھل ہوجاتی اور میر پر دیوانگی اور مستی کی کیفیت اس طرح طاری ہوجاتی کہ وہ ہاتھوں میں پتھر لیے پھرتے اور لوگ ان کو دیکھ کر بھاگتے۔ یہاں تک کہ میر کو زنجیریں پہنا کر کوٹھری میں بند کردیا گیا۔ جھاڑ پھونک، گنڈے تعویذ کے علاوہ ان کی فصد بھی کھولی گئی۔

چند ماہ میں میر اس مرض سے اچھے تو ہوگئے لیکن یہ دیوانگی ایک خوبصورت پرچھائیں کی طرح ساری عمر ان کی شاعری پر منڈلاتی رہی۔ دیوانے اور شاعر میں ایک فرق ہوتا ہے۔ دیوانہ اپنے خوابوں کو اپنے ذہن سے الگ نہیں کرسکتا اور نہ ان کی بے ترتیبی میں ترتیب پیدا کر سکتا ہے۔ لیکن شاعر اپنے

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

خوابوں کے بکھرے ہوئے جلوؤں کو مرتب کر کے ایک پیکر بناتا ہے اور اس کو اپنے ذہن سے الگ کر کے کاغذ پر منتقل کر دیتا ہے۔

میر کے بعض ہم عصروں کا بیان ہے کہ یہ عمل دیوانگی کے زمانے ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ سعادت خاں ناصر نے میر کی زبانی لکھا ہے کہ ابتدائے جوانی میں پاگل پن طبیعت پر غالب ہوا اور میر اول فول بک کر اپنی زبان کو گندہ کرنے لگے۔ ہر شخص کو گالیاں دینا اور پتھر مارنا ان کا شیوہ ہو گیا۔ ایک دن خان آرزو نے کہا کے موزوں گالی ناموزوں دعا سے بہتر ہوتی ہے۔ اور اپنے کپڑے پھاڑنے سے کہیں بہتر یہ ہے کہ شعر کا وزن ٹکڑے کر کے دیکھو۔ اب جو بھی گالی میر کی زبان سے نکلتی وہ مصرعہ بن جاتی۔ جب دل و دماغ ٹھیک ہوئے تو شعروں کا مزا طبیعت میں باقی رہ گیا۔ میر کی بعض مشہور غزلیں اسی عہد کی تصنیف بتائی جاتی ہیں جنہوں نے وقت کے اساتذہ پر اس نوعمر شاعر کا سکہ جما دیا۔

لیکن میر نے خود اپنی آپ بیتی میں اس کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔ ان کا بیان تو یہ ہے کہ «سعادت علی نام کے ایک سید سے میری ملاقات ہوئی جو امروہے کے رہنے والے تھے اور انہوں نے مجھے ریختہ (اردو) میں شعر کہنے کی ترغیب دی»

چاہے میر نے دیوانگی کے عالم میں خانِ آرزو کے زیر اثر شاعری شروع کی ہو چاہے دیوانگی کے بعد امروہے کے سعادت علی خاں کی ترغیب سے لیکن یہ حقیقت ہے کہ وہ نوعمری ہی میں مشہور اور مستند شاعر ہو گئے تھے۔ پچیس چھبیس برس کی عمر میں ان کی شاعری اور دیوانگی دونوں کی دھوم تھی اور سنہ ۱۷۴۸ء میں میر مالوے کے صوبیدار کے بیٹے رعایت خاں کے مصاحب ہو گئے۔ اب میر کو فراغت اور ذراسی خوشحالی پہلی بار نصیب ہوئی اور ان کے اشعار سے جو تحفے کی طرح شہر شہر جاتے تھے سارے ہندوستان میں ان کی شہرت ہو گئی۔ اب وہ اپنے گھر پر مشاعرے کرتے تھے اور اس میں دہلی کے اہل کمال جمع ہوتے تھے۔ سب ان کی

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

استادی کے درجے کو تسلیم کرتے تھے۔

لیکن میر جس دلی میں رہ رہے تھے، جس کے وہ عاشق تھے، اس کی بنیادوں میں بھونچال چھپے ہوئے تھے۔ یہ زمانہ مغل سلطنت کے انحطاط اور خانہ جنگیوں کا تھا۔ دلی کا مرکز کمزور ہوچکا تھا اور چاروں طرف صوبہ داروں نے بغاوتیں شروع کردی تھیں۔ نادرشاہ کے حملے کے بعد دلی اور بھی کمزور اور مفلس ہوگئی تھی۔ یہ افلاس عام شہریوں سے لے کر شاہی قلعے تک پھیلا ہوا تھا۔ شہزادے، شہزادیاں اور ان کے ہاتھی گھوڑے تک بھوکے مر رہے تھے۔ جسم فروشی کی وبا عام تھی اور شاہی محلوں تک پہنچ چکی تھی۔ عیاش بادشاہ اپنی عیاشیوں سے تھک کر درویش پرست اور صوفی بن جاتے تھے یا اندھے اور قتل کردئے جاتے تھے۔ بقول میر کے وہ فرنگیوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے ہوئے تھے یا درباریوں کی ریشہ دوانیوں کے شکار تھے۔ امیروں کے گروہ آپس میں ٹکراتے رہتے تھے۔

اس عالم میں مغربی سرحدوں کی طرف سے احمد شاہ ابدالی کے حملے شروع ہوئے جن کا سلسلہ سنہ ۱۷۴۸ء سے شروع ہوکر تقریباً بیس سال تک جاری رہا۔ ان متواتر حملوں سے اور ہندستان کی باہمی خانہ جنگیوں سے دلی ایسی تباہ و برباد ہوئی کہ پھر ڈیڑھ دو سو برس تک آباد نہ ہوسکی۔ کتنے ہی ہنگامے میر کی آنکھوں کے سامنے ہوئے اور کتنی ہی بار موج خون دہلی کے سر سے گزر گئی۔ وہ کئی لڑائیوں میں اپنے مربیوں ارر سرپرستوں کے ساتھ تلوار باندھ کر گئے۔ کبھی ان کی آنکھوں نے فتح بھی دیکھی مگر زیادہ تر لشکروں کی پسپائی، قتل غارت گری اور تباہی سے سابقہ پڑا۔ احمد شاہ ابدالی کے پہلے حملے کے وقت (سنہ ۱۷۴۸ء) میر رعایت خان کے ساتھ لاہور میں موجود تھے اور پانی پت کی تیسری لڑائی سنہ ۱۷۶۱ء کے بھی تماشائی تھے۔ دلی میں اس بیرونی فاتح اور ملک کے اندرونی خانہ جنگوں نے لوٹ مار مچائی اس میں میر کا گھر بھی برباد ہوا۔

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

اس عہد کے مالی نقصان اور اخلاقی پستی کی اندوہناک تصویریں میر کی شاعری اور آپ بیتی «ذکر میر» میں محفوظ ہیں۔ ایک مخمس میں لکھتے ہیں۔

مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش
آئے لشکر میں ہم برائے تلاش
آن کے دیکھی یہاں کی طرز معاش
ہے لبِ نان پہ سو جگہ پرخاش
نے دمِ آب ہے نہ چمچۂ آش

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال
کنجڑے جھینکیں ہیں روتے ہیں بقال
پوچھ مت کچھ سپاہیوں کا حال
ایک تلوار بیچے ہے اک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

شور مطلق نہیں کسو سر میں
زور باقی نہ اسپ و اشتر میں
بھوک کا ذکر اقل و اکثر میں
خانہ جنگی سے امن لشکر میں
نہ کوئی رند نے کوئی او باش

لعل خیمہ جو ہے سپہراساس
پالیں ہیں رنڈیوں کی اس کے پاس
ہے زنا و شراب بے وسواس
رعب کر لیجیے یہیں سے قیاس
قصہ کوتاہ رئیس ہے عیاش

چار لُچّے ہیں مستعدِ کار
دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار
ہیں وضیع و شریف سارے خوار
لوٹ سے کچھ ہے گرمی بازار
سو بھی قندِ سیاہ ہے یا حاش

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

بس قلم اب زباں کو اپنی سنبھال
خوشنما کب ہے ایسی قال و مقال
ہے کڈھب چرخِ روسیہ کی چال
مصلحت ہے کہ رہئیے ہوکر لال
فائدہ کیا جو راز کرئیے فاش

«ذکر میر» میں احمد شاہ ابدالی کی فوجوں کے ہاتھوں دلی کی تارا جی کی یہ تصویر ہے:

« بندہ اپنی عزت تھامے شہر میں بیٹھا رہا. شام کے بعد منادی ہوئی کے بادشاہ نے امان دیدی ہے، رعایا کو چاہیے کہ پریشان نہ ہو. مگر جب گھڑی بھر رات گذری تو غارت گروں نے ظلم و ستم ڈھانا شروع کیے. شہر کو آگ لگا دی... صبح کو جو صبح قیامت تھی تمام شاہی فوج اور روہیلے ٹوٹ پڑے. اور قتل و غارت میں لگ گئے. دروازوں کو توڑ ڈالا اور لوگوں کو قید کرلیا. بہتوں کو جلا دیا اور سر کاٹ لیے. ایک عالم پر یہ مظالم توڑے اور تین دن تک ظلم سے ہاتھ نہ کھینچا... ایک وقت کے کھانے اور ستر ڈھکنے کے وسائل بھی کسی کے گھر میں نہ رہے. مردوں کے سر ننگے تھے اور عورتوں کے پاس اوڑھنی بھی نہیں تھی. چونکہ راستے بند تھے بہت سے لوگ زخم کھا کھا کر مرگئے. کچھ سردی کی شدت سے اکڑ گئے. (اس فوج نے) بڑی بے حیائی سے لوٹ مچائی اور (شہریوں کو) بے آبرو کیا غلہ زبردستی چھینتے اور مفلسوں کے ہاتھ دھونس سے فروخت کرتے. ان غارت گروں کا شور و ہنگامہ ساتویں آسمان تک پہونچ رہا تھا مگر بادشاہ جو خود کو فقیر سمجھتا تھا استغراق کے باعث سنتا ہی نہ تھا». (یہ اشارہ غالباً دلی کے بادشاہ محمد شاہ کی طرف ہے جو جوانی کی عیاشیوں سے فارغ ہوکر فقیر ہو گیا تھا اور درویش پرست بن گیا تھا. ایک شعر میں بھی میر نے اس بات کو یوں دہرایا ہے. بندے کے دردِ دل کو کوئی نہیں پہنچتا — ہر ایک بے حقیقت یاں ہے خدا رسیدہ) «ہزاروں

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

خانہ خراب اس ہنگامے سے نکل کر بصد حسرت ترکِ وطن کر گئے ...... مگر راستے ہی میں مر گئے .... ایک عالم اُن کے ستم سے ہلاک ہوگیا مگر کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی. پرانے شہر کا علاقہ جیسے جہانِ تازہ کہتے تھے کسی گری ہوئی منقش دیوار کے مانند تھا. جہاں تک نظر جاتی تھی مقتولوں کے سر، ہاتھ، پانوٗں اور سینے ہی نظر آتے تھے جہاں تک آنکھ دیکھتی تھی خاک سیاہ کے سوا کچھ دکھائی نہ دیتا تھا میں کہ فقیر تھا اور اب زیادہ مفلس ہوگیا ... سڑک کے کنارے جو مکان رکھتا تھا وہ بھی ڈھ کر برابر ہوگیا» (ذکر میر)

اس آپ بیتی میں میرنے دلی کی ویرانگی کی ایک اور تصویر بھی کھینچی ہے.

«ناگاہ اس محلے میں آنکلا جہاں میں ..... لمبی لمبی زلفوں والوں کے ساتھ رہتا تھا ..... اب کوئی ایسا مانوس چہرہ نظر نہ آیا جس سے دو باتیں کر لیتا .... اس وحشت انگیز گلی سے نکل کر ویران راستے پر آ کھڑا ہوا اور حیرت سے دیکھتا رہا. بہت صدمہ اٹھایا اور یہ عہد کیا کہ اب ادھر نہ آؤں گا اور جب تک زندہ رہوں شہر کا قصہ نہ کروں گا» (آپ بیتی)

ان تباہیوں اور بربادیوں سے وہ امرا بھی محفوظ نہیں تھے جن سے میر وابستہ رہے۔ رعایت خان کی ملازمت تو انہوں نے اپنی نازک مزاجی کی وجہ سے چھوڑی (دیباچہ دیوان میر صفحہ ۲۱) لیکن باقی امرا اور خود مغل بادشاہ تک آلام روزگار میں ایسے مبتلا تھے کہ انہیں خود اپنی جان و مال کی فکر پڑی تھی. میر کی دستگیری کون کرتا. اُن پر میر کے یہ اشعار صادق آتے ہیں جو غالباً ان تلخ تجربات کے بعد ہی لکھے گئے ہیں۔

کس طرح آہ خاکِ مذلت سے میں اٹھوں
افتادہ تر جو مجھ سے مرا دستگیر ہو
(غزل ۳۳۱، شعر ۳)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

تو ہے بیچارہ گدا میر ترا کیا مذکور
مل گئے خاک میں یاں صاحب افسر کتنے
(غزل ٤٤٥ ، شعر ٦)

رعایت خاں کی ملازمت چھوڑنے کے بعد میر نواب بہادر جاوید خاں کے ملازم ہوئے جو پہلے کبھی خواجہ سرا تھا مگر محل کی اندرونی سازشوں نے اسے اقتدار کے منصب تک پہونچا دیا تھا سنہ ١٧٥٢ ء میں جب اودھ کے صوبہ دار اور مغل سلطنت کے وزیر صفدر جنگ نے اس کو مروا ڈالا تو میر دیوان مہانرائن کے ملازم ہوئے ، « اور کچھ مہینے فراغت سے بسر ہوگئے » (آپ بیتی صفحہ ١٠٦) اس دوران میں ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ میر اسحاق خاں نجم الدولہ کے ساتھ ایک سفر میں گئے . وہ امیر ایک جنگ میں مارا گیا « اور میں (میر) اس ہارے ہوئے لشکر کے ساتھ بڑی زحمت اٹھاکر شہر واپس آگیا » (آپ بیتی صفحہ ١٠٥)

یہ احمد شاہ کا دورِ حکومت تھا . سنہ ١٧٥٤ ء میں اس کو اندھا کرکے تخت سے اتار دیا گیا اور اس کی جگہ عالم گیر ثانی کو پچپن سال کی عمر میں تخت پر بٹھایا گیا اور « بہت سے نالائق اور کمینے لوگ برسر اقتدار آگئے » (آپ بیتی صفحہ ١٠٩) یہ واقعات اور الفاظ یوں کے یوں ہی میر کے اشعار میں ڈھل گئے ہیں :

شہاں کہ کحل جواہر تھی خاکِ پا جن کی
اُنہیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں
(غزل ٢٥٣ ، شعر ٤)

رہی نہ پختگی عالم میں دورِ خامی ہے
ہزار حیف کمینوں کا چرخ حامی ہے

ان حالات کی ناخوشگواری کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ میر نے اپنی بہت سی غزلوں میں غزل کی نفاست ، لطافت ، رمزیت اور اشاریت کو بالائے طاق رکھ کر انتہائی تلخ اور بعض اوقات بھدے الفاظ میں اپنا درد بیان کیا ہے لیکن جذبے کے خلوص اور احساس کی شدت نے ان میں بھی تاثیر پیدا کردی ہے :

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

سنا ہے میں نے ، اے گھتیے ، ترے خلوت نشینوں سے
کہ تو دارو پیے ہے رات کو مل کر کمینوں سے

(دیوان سوم)

عمر گزری کہ نہیں دودۂ آدم سے کوئی
جس طرف دیکھیے عرصہ میں ہیں اب خر کتنے

(غزل ٤٤٥ ، شعر ٥)

ان کمینوں اور گدھوں میں میر کے لئے کہاں جگہ تھی . اس لئے وہ گوشہ نشینی پر مجبور ہوگئے (آپ بیتی صفحہ ١٠٩) اور اس گوشہ نشینی کے معنی فاقہ کشی کی زندگی تھی جس نے اکثر میر کے دل میں مرجانے کی خواہش پیدا کی :

رہتے ہیں داغ اکثر نان و نمک کی خاطر
جینے کا اس سمے میں اب کیا مزا رہا ہے

(غزل ٤٤٦)

فکرِ معاش ، یعنی غمِ زیست تا بہ کے
مرجائیے کہیں کہ ٹک آرام پائیے

(غزل ٤٦١ ، شر ٢)

دو تین مہینے بعد بنگالے کے وکیل راجہ جگل کشور جو «بڑی جاہ و حشمت سے رہتے تھے» میر کو گھر سے بلا کر لے گئے اور اپنے اشعار پر اصلاح کی خدمت سپرد کی مگر میر صاحب نے اصلاح کی قابلیت نہ دیکھی اور سارے شعر کاٹ دئیے . معلوم یہ ہوتا ہے کہ راجہ جگل کشور نے اصلاح شعر کی خدمت کے بہانے میر کی امداد کرنی چاہی تھی کیونکہ انکار کے بعد بھی وہ ان کی دستگیری کرتے رہے . مگر کچھ دنوں میں ان کی حالت بگڑ گئی . ابدالی کے حملوں اور اندرونی خانہ جنگیوں نے سب کو فاقوں میں مبتلا کردیا تھا . فاقہ کشی کی نوبت یہاں تک پہونچی کہ میر نے ذلت و خواری کو بھی برداشت کرلیا . یہ داستان خود میر کی زبان سے سننے کے قابل ہے جن کی نازک مزاجی اور ذاتی رکھ رکھاؤ کے افسانے مشہور ہیں .

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

«ایک دن میں نے راجہ جگل کشور کے سامنے روزگار کی شکایت کی. وہ عزیز شرم سے پیلا پڑگیا. کہنے لگا میں خود مفلس ہوں، کچھ بھی ہوتا تو ہرگز تامل نہ کرتا. ایک دن سوار ہوکر راجہ ناگر مل کے ہاں گیا اور تعارف کرا کے بلوا بھیجا، میں گیا اور اس کے وسیلے سے ملاقات کی. بہت لطف و عنایت سے پیش آیا کہنے لگا دعوتِ شیراز حاضر ہے یعنی تمہارا حصہ بھی تمہیں پہونچتا رہے گا. مجھے اطمینان ہوگیا تو اٹھ کر واپس آیا. دوسرے دن ملاقات میں جب شعر خوانی ہوئی تو کہنے لگا میر کا ہر شعر موتیوں کی لڑی ہے. مجھے اس شخص کا اسلوب بہت پسند ہے. ایسے ہی میں کبھی کبھار جاتا رہا مگر کچھ ہاتھ نہ آیا. چونکہ چاقو ہڈی تک پہونچ گیا تھا اضطراب بہت بڑھ گیا. ایک دن صبح کی نماز کے بعد اس کے دروازے تک پہونچ گیا. چوبداروں کا میر دہ جے سنگھ میرے سامنے آیا اور کہنے لگا یہ درباز کا کون سا وقت ہے. میں نے کہا اضطرار کا عالم ہے. کہنے لگا تم لوگوں کو درویش کہتے ہیں. تم شاید یہ نہیں جانتے کہ ایک ذرہ بھی خدا کے حکم کے بغیر حرکت نہیں کرتا. یہاں اپنی ریاست کے آگے تمہاری کسے فکر ہے. صابر و شاکر رہنا چاہیے. ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے. یہاں تو تمہاری رسائی مشکل ہے. البتہ ان کے بڑے لڑکے مل سکتے ہیں. میں نہایت شرمندہ ہوا اور واپس آ گیا.

«ایک رات اُس (دربان) کے کہنے کے مطابق (راجہ ناگرمل کے) لڑکے سے ملنے گیا. دربان نے روک دیا. بولا اس وقت ان سے ملاقات کرنا ممکن نہیں. مجبوراً واپس آگیا. پھر عشا کی نماز کے بعد (یعنی دس گیارہ بجے رات کو) گیا. دیکھا تو ڈیوڑھی پر دربان نہیں ہے. میں نے پوچھا دربان کہاں گیا. لوگوں نے کہا آج اس کے سر میں ایسا شدید درد تھا کہ بیٹھ نہیں سکتا تھا. میں نے سوچا کہ تائید الہیٰ شامل حال ہے. دیوان خانے میں داخل ہوا اور ملاقات کی، شعر خوانی کا بھی اتفاق ہوا.

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

خواجہ غالب نے جو ایک با اثر آدمی اور مجھ سے واقف تھا میرا احوال مفصل سنایا اور کچھ مقرر کرا دیا جو میں ایک سال تک پاتا رہا ۰۰۰۰۰۰ اُس زمانے سے عشا کی نماز کے بعد اُن کے ملازموں کے طریقے سے ان کے پائیں باغ میں جاتا اور دو گھڑی رات گئے تک رہتا تھا۔ اس خدمت کا پھل یہ تھا کہ چین سکھ سے گزر اوقات ہو رہی تھی» (آپ بیتی صفحہ ۱۱۶-۱۱۵)

ادھر دلّی اجڑ رہی تھی اُدھر لکھنؤ آباد ہو رہا تھا۔ اودھ کے نواب جو در اصل مغل شہنشاہ کے وزیر تھے عجیب و غریب طریقے سے خود مختار ہوئے تھے۔ اودھ کے صوبہ دار اور مغل سلطنت کے وزیر صفدر جنگ نے دلّی کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر سنہ ۱۷۵۷ء میں خود مختاری کا پرچم لہرایا۔ اس کے انتقال کے بعد جب شجاع الدولہ تخت نشین ہوا تو اس نے اودھ کی سلطنت کو اور زیادہ مضبوط کرنے کے خواب دیکھے اور ایک بڑی طاقت ور فوج کے ساتھ سنہ ۱۷۶٤ء میں انگریزی فوجوں سے مقابلہ کیا۔ یہ بکسر کی جنگ تھی۔ اس میں اُس کو شکست ہوئی اور فوجی قوت کا خاتمہ ہو گیا اور شاہان اودھ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت حکومت کرنے اور داد عیش دینے لگے۔ دلّی کے بادشاہ شکست کھانے کے بعد فقیر اور صوفی بن جاتے تھے لیکن لکھنؤ کے نواب عیاشیوں میں مبتلا ہو گئے۔ اس طرح برطانوی تلواروں اور سنگینوں کے سائے میں ایک ایسی تہذیب معاشرت اور شاعری کی تربیت ہونے لگی جو اوپر سے چمکدار اور خوبصورت لیکن اندر سے کھوکھلی تھی۔

اب اودھ میں ایک جھوٹی خوش حالی اور جھوٹا سکون تھا اور دلی کے پریشان حال صاحبان کمال اور اہل فن اور شاعر تلاش روز گار میں پورب کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ میر سے پہلے ان کے ماموں خان آرزو، مرزا مظہر جان جاناں اور سودا کی طرح کے با کمال شاعر دلّی چھوڑ کر جا چکے تھے۔ سنہ ۱۷۸۲-۳ء کے قریب میر نے دلّی کو خدا حافظ کہا تو اودھ کا

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

دارالسلطنت فیض آباد سے منتقل ہو کر لکھنؤ آچکا تھا اور شجاع الدولہ کا بیٹا نواب آصف الدولہ مسند نشین تھا جس کو بے انتہا فیاض اور سخی بھی کہا جاتا ہے اور حد سے زیادہ ناکارہ اور عیاش بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس کے زمانے میں اودھ کی فوج ختم کر دی گئی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج رکھ لی گئی جس کے تمام اخراجات اودھ کی حکومت کو برداشت کرنے پڑتے تھے۔ اس طرح رعایا پر دہرا بار تھا۔ ایک کمپنی کی فوجوں کا خرچ دوسرے نواب کی عیاشیوں کا سامان۔ ان عیاشیوں میں انگریز بھی شریک ہوتے تھے۔ خود میر کی آپ بیتی «ذکر میر» میں وارن ہیسٹنگز کی آمد کا تذکرہ اس کی گواہی دیتا ہے۔

«یہاں وزیر اعظم امیر مکرم گورنر بہادر کے استقبال کے لئے جو کلکتے سے آرہے تھے روانہ ہوئے۔ کیونکہ یہ تمام ملک وزیر ہی کا تھا اس کے ساتھ بے شمار لشکر تھا۔ یہ سفر الہ آباد تک ہوا صاحب مذکور کی آمد آمد کی خبر سن کر اس ضلع کے سردار بھی ان کو دیکھنے کے لئے آئے۔ ایک منزل آگے نواب گردوں جناب سے ملاقات کی وہاں سے اپنے ساتھ لکھنؤ لے کر آئے۔ اور ہر منزل پر نئی نئی ضیافتیں، نئے نئے خیمے اور خرگاہ طرح طرح کے بیش بہا تحفے نظر آتے تھے۔ جب لکھنؤ پہونچے تو دولت خانہ میں داخل ہوئے۔ اس کی آرائش و تکلف، فرش فروش، ساز و سامان کی افراط ایسی تھی کہ عقل دنگ ہوتی تھی۔ دن کو ضیافتیں اور رات کو پری وش حور لقا عورتوں کا ناچ اور گانا آتش بازی اور چراغاں کا لطف رہتا تھا۔ غرض یہ شاہانہ اور پر تکلف دعوت چھ مہینے تک رہی اور یہ مدت باہم گفت و شنود، مشورے و صحبت میں کٹی»

میر کی پہلی ملاقات آصف الدولہ سے جس طرح ہوئی وہ بھی لکھنؤ کی تہذیب و معاشرت پر ایک تبصرہ ہے۔ اکبر اور جہانگیر کے عہد میں شعرا بھرے دربار میں پیش ہوتے تھے۔ اور ان کا تعارف اُن کی شاعری کے ذریعے سے ہوتا تھا۔ لیکن میر جو نواب کے

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

طلب کرنے پر لکھنؤ آئے تھے دربار کے بجائے مرغوں کی لڑائی میں آصف الدولہ سے ملے۔ ایک طرف مرغوں کی لڑائی جاری تھی اور دوسری طرف نواب اپنا کلام میر کو سنا رہے تھے۔ « اس کے بعد فرط مہربانی سے مجھ (میر) سے فرمائش کی اور اس روز میں نے اپنی غزل کے چند شعر عرض کئے » (ذکر میر)

یہ وہی میر تھے جو رعایت خان سے اس لئے برگشتہ خاطر ہوگئے تھے کہ اس نے میر کے اشعار ڈوم کے لڑکے کو گانے کے لئے دئے تھے اور اب در بدر کی ٹھوکریں کھانے کے بعد میر صاحب مرغوں کی پالی میں بیٹھے ہوئے خود اپنی غزل سنارہے تھے۔

ظاہر ہے اس ماحول میں نہ تو میر کی شاعری پروان چڑھ سکتی تھی اور نہ میر خوش رہ سکتے تھے۔ چنانچہ اپنی باقی عمر میں معاشی فراغت کے باوجود میر لکھنؤ سے نا خوش رہے۔ دلی میں میر کو کبھی چین اور آرام نصیب نہیں ہوا۔ جان مال عزت آبرو ہر وقت خطرے میں تھی۔ پھر بھی میر کے لئے دلی کے کوچے «اوراق مصور» تھے۔ «جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی» دل و دلی دونوں خراب تھے مگر اس اجڑے گھر میں میر کے لئے بڑا لطف تھا۔ اس کے برعکس

پھرا میں صورتِ احوال ہر اک کو دکھاتا یاں
مروت قحط ہے، آنکھیں نہیں کوئی ملاتا یاں
خرابہ دلی کا دہ چند بہتر لکھنو سے تھا
وہیں میں کاش مرجاتا، سراسیمہ نہ آتا یاں

برسوں سے لکھنؤ میں اقامت ہے مجھ کو لیک
یاں کے چلن سے رکھتاہوں عزمِ سفر ہنوز

آباد اجڑا لکھنؤ چغدوں سے اب ہوا
مشکل ہے اس خرابے میں آدم کی بود و باش

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

اور آخر میں میرنے لکھنؤ کے خلاف یوں فریاد کی ہے ۔

کس کس ادا سے ریختے میں نے کہے ولے
سمجھا نہ کوئی میری زباں اس دیار میں

دلی کے دوسرے مہاجر شعرا نے بھی لکھنؤ سے اپنی بے اطمینانی کا اظہار بار بار کیا ہے ۔ چنانچہ مصحفی نے اپنی ایک رباعی میں پنا درد اس طرح بیان کیا ہے ۔

یارب شہر اپنا یوں چھڑایا تونے
ویرانے میں مجھ کو لا بٹھایا تونے
میں اور کہاں یہ لکھنؤ کی خلقت
اے وائے یہ کیا کیا خدایا تونے

ان کی غزل کے شعروں میں بھی یہ رنگ ملتا ہے ۔

اے مصحفی مت پوچھ کہ دلی سے نکل کر
کیا کہیے کہ ہم کتنے پشیمان ہوئے ہیں

ہر گل کے رنگ سرخ میں زردی کی تہ سی ہے
بھولا چمن کو صدمۂ بادِ خزاں نہیں

یہ شعرا صرف لکھنو کی معاشرت ہی سے برگشتہ خاطر نہیں تھے ، جس میں عیش وتفریح حاوی تھے بلکہ ان کی نظر سیاسی پہلو پر بھی تھی اور وہ جانتے تھے کہ شاہان اودھ اور ایسٹ انڈا کمپنی کی ساز باز کس قسم کی غلامی کا پیش خیمہ ہے ۔ مصحفی کے دو تین شعر اس شہادت کے لئے کافی ہیں ۔

ہندوستاں میں دولت و حشمت ، جو کچھ کہ تھی
کافر فرنگیوں نے بہ تدبیر کھینچ لی

ظالم کی سلطنت کو شتاب آوے ہے زوال
کسریٰ کے گھر میں عدل کے باعث خزانہ تھا

غمگین کیوں ہوں اپنی نگوں طالعی سے ہم
بوئے نشاط دیوے ہے رنگ انقلاب کا

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

اور جرأت نے اپنی ایک رباعی میں یہاں تک کہہ دیا

سمجھے نہ امیر ان کو کوئی نہ و زیر
انگریزوں کے ہاتھ اک قفس میں ہیں اسیر
جو کچھ وہ پڑھائیں سو یہ منہ سے بولیں
بنگالے کی مینا ہیں یہ پورب کے امیر

لکھنؤ کی یہ تہذیب اور معاشرت جس میں ایک جھوٹا سکون اور جھوٹی فراغت تھی تہذیب نفس اور تنقید حیات سے گریز کرکے ایک نئی شاعری کی فضا پیدا کر رہی تھی جس میں معشوق کا جسم عاشق کے دل سے زیادہ اہم تھا اس شاعری نے لفظوں کی ظاہری تراش خراش پر زیادہ زور دیا لیکن اندر سے بے جان رہی اور لکھنؤ اسکول کے نام سے مشہور ہوئی۔

میر کا مزاج اس فضا سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا تھا۔ ان کی عمر کے آخری بیس تیس سال میر کے معیار کی غزلیں فراہم نہ کرسکے زیادہ تر وہ آصف الدولہ کے لئے شکار نامے اور مثنویاں لکھتے رہے۔ وہ اپنی عظمت کی آخری بلندیاں دلی میں چھوچکے تھے۔ لکھنؤ رفعت پرواز کے لئے کوئی اور بلند آسمان نہ دے سکا

x x x

نوٹ ۔ صفحہ ۲۰ سطر ۳۳ پر سنہ ۱۷۲۸ء کو سنہ ۱۷۴۸ پڑھئے

شاعری

میر ان معنوں میں عشقیہ شاعر نہیں ہیں جن معنوں میں بعض نقاد اور نیم رومانی شاعر اردو کی ساری شاعری کو جنسیات تک محدود کر دینا چاہتے ہیں۔ غالب نے بھی ایسی عشقیہ شاعری سے پناہ مانگی ہے اور لکھا ہے کہ عاشقانہ: شاعری سے مجھے وہی بعد ہے جو کفر سے ایمان کو ہوسکتا ہے (خطوطِ غالب غلام رسول مہر صفحہ ۵۶) میر کے یہاں عشق ایک دریائے بیکراں ہے جس کی بہت سی موجیں ہیں۔

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

قرونِ وسطیٰ میں انسان دوستی کی سب سے بڑی تحریک تصوف کی شکل میں ابھری. بھگتی اور مسٹی سزم (Mysticism) اس کی غیر اسلامی شکلیں ہیں. ان تحریکوں کا رشتہ دستکاروں اور کسانوں کی بغاوتوں سے بھی رہا ہے لیکن میر کے عہد تک پہونچتے پہونچتے صرف ایک فکری نظام باقی رہ گیا تھا جو جاگیرداری نظام کی قدروں سے مختلف قدریں رکھتا تھا اور ان میں سب سے زیادہ اہم وحدتِ انسان کا تصور تھا جو مذہب، ذات پات اور پیشوں کی بنیاد پر تقسیم ہوجانے والے انسانوں کو ایک ہی رشتے میں پرو لیتا تھا.

عشق اور دل دو لفظ ہیں جو اس تصور کا پوری طرح احاطہ کرلیتے ہیں، عشق سب سے بڑا جذبہ ہے اور دل سب سے بڑی چیز. کعبہ ہو یا مندر اور مسجد یہ اگر ٹوٹ جائیں تو پھر بن سکتے ہیں لیکن «دل وہ نگر نہیں کہ پھر آباد ہوسکے» اس لئے دل ڈھاکر کعبہ بنانے سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا. حج، نماز یا روزے سے کوئی آدمی نہیں بنتا. یہ ظاہری عبادتیں ہیں. آدمی دل سے بنتا ہے اور دل پیر و مرشد ہے، عشق کا مرکز ہے اور عشق خدا ہے. عشق اس کائنات کا خالق ہے، اس کا رنگ روپ ہے، عشق ہی جلاتا ہے، عشق ہی مارتا ہے.

اس طرح خدا اور انسان کا براہ راست رشتہ قائم ہوتا ہے اس لئے ظاہری عبادت خانوں، ملاؤں اور پنڈتوں کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی. ان کی وہی حیثیت ہے جو عام انسان اور بادشاہ کے درمیان محتسب اور قاضی کی ہے. ایک ریاستی نوکر شاہی ہے اور دوسری مذہبی. اور دونوں فضول ہیں، اس لئے شیخ، زاہد، محتسب، ملا اور قاضی پر پھبتیاں کسی گئی ہیں. دونوں عام انسانوں کا استحصال کرنے والے گروہ ہیں ایک بادشاہ کے نام پر لوٹتا ہے اور دوسرا خدا کے نام پر.

صرف انسانوں سے محبت کرکے خدا تک پہونچا جاسکتا ھے اس لئے آنکھیں بند کرکے مراقب ہونا، بندے کے درد دل کو

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

بھول کر خدا رسیدہ بننا بیکار ہے (غزل ۳۵۹) انسانوں میں کھوجانا اور دنیا کو برتنا نجات کا صحیح راستہ ہے۔ برتنے میں گناہ بھی شامل ہے جو رحمت کو برسرِ کار آنے کی دعوت دیتا ہے۔

اس طرح جنسی محبت، بنی نوع انسان کی محبت اور خدا کی محبت تینوں مل کر ایک ہوجاتی ہیں۔ جتنے محبوب کے جلوے ہیں اتنے ہی عشق کے روپ ہیں۔

میر کی شاعری انہیں پردوں میں حقیقت کی ترجمانی کرتی رہی ہے۔ اس کو انہوں نے اپنے عہد کی ایک بہت بڑی اور اہم دستاویز بنا دیا ہے۔

ان کا اپنا بیان یہ ہے کہ میری شاعری خواص کی پسند کی ہے "پر مجھے گفتگو عوام سے ہے" انہوں نے اپنے دیوان کو درد و غم کا مجموعہ بتایا ہے اور یہ درد و غم صرف ذاتی نہیں ہے کیونکہ جہاں سارا عالم خاک ہوچکا ہو وہاں صرف اپنے آپ پر رونا بے سود ہے (غزل ۳۶٦) اس لئے میر کے یہاں دل اور دلّی کی خرابی کا ذکر ایک ساتھ آتا ہے اور عاشق اور آدمی ہم معنی الفاظ ہیں۔ کلیاتِ میر میں تکرارِ مضامین کے دو بڑے دلچسپ شعر ہیں۔ ایک میں انہوں نے یہ کہا ہے۔

مارنا عاشقوں کا گر ہے ثواب
تو ہوا ہے تمہیں ثواب بہت

اور دوسرے میں یہ۔

کشتنِ مردماں اگر ہے ثواب
تو ہوا ہے اسے ثواب بہت

میر کے عہد کے انسان کی طرح میر کی شاعری کا عاشق بھی ایک کچلی ہوئی شخصیت ہے جو اپنا کھویا ہوا وقار واپس مانگ رہی ہے۔ اس میں انانیت کا دور دور پتہ نہیں ہے۔ صرف بے دماغی ہے۔ انانیت دولت، طاقت یا صلاحیت کے غرور سے پیدا ہوئی ہے اور بیدماغی سب کچھ کھونے کے

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

بعد آئی ہے (غالب اور میر میں یہی فرق ہے)

حسن عسکری نے اپنے ایک مضمون میں بڑے پتے کی بات کہی ہے کہ میر کی شاعری کا عاشق «محبوب سے محبت کا طالب نہیں. بس اتنا چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ انسانوں جیسا برتاؤ کیا جائے، اس کے عالم و فاضل ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ انسان ہونے کی وجہ سے» (دیباچہ «گل نغمہ» فراق گورکھپوری) اس تصویر میں میر کا بچپن، جوانی اور دلیؔ کی تباہی اور بربادی ایک ہی تصویر کے کئی رخ ہیں اور میر نے اس تصویر میں اتنے ہی مختلف انداز سے رنگ بھرا ہے.

میر کی غزلوں میں ایسے اشعار کی تعداد بہت زیادہ ہے جن میں انہوں نے براہِ راست سماجی معاشی اور سیاسی مضامین کو ڈھال دیا ہے. انہوں نے کبھی یہ خیال نہیں کیا کہ یہ مضامین غزل کی طبعِ نازک پر گراں گزریں گے.

قوت کی پیرانہ سر دلیؔ میں حیرانی ہوئی
اب کی جو آئے سفر سے، خوب مہمانی ہوئی

(دیوان دوم)

رہتے ہیں داغ اکثر نان و نمک کی خاطر
جینے کا اس سمے میں اب کیا مزا رہا ہے

(غزل ٤٤٦)

محتاج کو خدا نہ نکالے کے جوں ہلال
تشہیر کون شہر میں ہو پارہ نان پر

(غزل ۱۹۸ شعر ۳)

جن کو خدا دیتا ہے سب کچھ، وے ہی سب کچھ دیتے ہیں
ٹوپی لنگوٹی پاس اپنے، ہم اس پر کیا انعام کریں

(غزل ۳۱۰ شعر ۲)

چور اچکے، سکھ، مرہٹے، شاہ و گدا زر خواہاں ہیں
چین میں ہیں جو کچھ نہیں رکھتے، فقر ہی اک دولت ہے اب

(غزل ۱۵۸)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

اے حبِ جاہ والو، جو آج تا جور ہے
کل اس کو دیکھیو تم، نے تاج ہے نہ سر ہے
(غزل ٤٣٩ شعر ١)

سبزانِ تازہ رو کی جہاں جلوہ گاہ تھی
اب دیکھیے تو واں نہیں سایہ درخت کا
جوں برگہائے لالہ پریشان ہو گیا
مذکور کیا ہے اب جگر لخت لخت کا
دلی میں آج بھیکھ بھی ملتی نہیں انہیں
تھا کل تلک دماغ جنہیں، تاج و تخت کا
خاک سیہ سے میں جو برابر ہوا ہوں میر
سایہ پڑا ہے مجھ پہ کسو تیرہ بخت کا
(غزل ٦٤)

جو ہے سو پائمالِ غم اے میر
چال بیڈول ہے زمانے کی
(غزل ٣٩٥، شعر ٤)

نہ مل میر اب کے امیروں سے تو
ہوئے ہیں فقیر ان کی دولت سے ہم
(غزل ٢٢٨، شعر ٤)

کیا شہر میں گنجائش، مجھ بے سروپا کو ہو
اب بڑھ گئے ہیں میرے اسباب کم اسبابی
(غزل ٣٧٩، شعر ١)

غیر از خدا کی ذات، میرے گھر میں کچھ نہیں
یعنی کہ اب مکان مرا لا مکاں ہوا
(غزل ١٥١ شعر ١)

اس براہ راست اندازِ بیان کے علاوہ میر نے اپنے عہد کے مظالم اور انسانی شخصیت کی شکست و ریخت کو محبوب کے پردے میں بھی بیان کیا ہے اور اس پردے کو اٹھانے کی خود ہی ترغیب بھی دی ہے۔

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

ہوگا ستم و جور سے تیرے ہی کنایہ
دو شخص جہاں شکوۂ ایام کریں گے

(غزل ۴۷۴، شعرا)

دہر کا ہو گلہ کہ شکوۂ چرخ
اس ستمگر ہی سے کنایت ہے

(غزل ۴۹۲)

اس طرح کی شاعری میں انہوں نے محبوب کو ظالم سفاک گھٹیا، کمینہ، اوباش، بدمعاش، خونخوار، خونریز، جھوٹا، مکار سبھی کچھ کہا ہے۔ محبوب کی کالی آنکھوں کی سبھی نے تعریف کی ہے لیکن میر نے ان کو «سیہ رو» اور «سیہ کاسہ» کہکر گالی بھی دی ہے۔ سیہ رو کے معنی بد چلن اور بد نام ہیں اور سیہ کاسہ کنجوس کو کہتے ہیں۔ میر کے عہد کی ایک لغت (مرتبہ شیکسپیر) میں اس کے معنی چنڈال بھی لکھے ہیں اور میر یقیناً اس مفہوم سے واقف ہوں گے۔ اس شاعری میں صرف آسمان ہی نہیں جو تقدیر اور وقت کا کنایہ ہے اور سماجی نظام کا مفہوم بھی اختیار کر لیتا ہے) بلکہ محبوب کی آنکھ بھی سیہ کاسہ اور سیہ رو ہے۔

جامِ خوں بن نہیں ملتا ہے ہمیں صبح کو آب
جب سے اس چرخ سیہ کاسہ کے مہمان ہوئے

(غزل ۴۲۶ شعرا)

گردشِ چشمِ سیہ کاسہ سے، جمع نہ رکھو خاطر تم
بھوکا پیاسا مار رکھا ہے تم سے ان نے ہزاروں کو

(غزل ۳۴۹)

جب سے دیکھا اس کو ہم نے، جی ڈہا جاتا ہے میر
اس خرابی کی یہ چشمِ رو سیہ بانی ہوئی

(دیوان دوم)

یہی محبوب معشوقِ حقیقی یعنی خدا کی ذات میں بھی گم ہوجاتا ہے۔ اور دنیا میں ہوتے ہوئے بھی لا پتہ رہتا ہے اور نہ دیر والوں کو

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

ملتا ہے. اور نہ حرم والوں کو، کسی نے اس کا رخ دیکھا ہے اور کسی نے زلف اور اس ادھوری سچائی پر شیخ و برہمن لڑ رہے ہیں. اس محبوب کی راہ و روش کی شکایت کرتے وقت میر بیباک ہوجاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ "پردے میں بدسلوکی ہم سے خدا کرے ہے" (غزل ٤٩٨ شعر ٢) اور یہ وہ خدا ہے جس کی بارگاہ کی بے نیازی کے خوف سے میر اپنے کام اس کو سونپتے ہوئے گھبراتے ہیں وہ دنیا کے کاروبار پر ایک نظر ڈالتے ہیں اور پھر اس سے مخاطب ہو کر سوال کرتے ہیں.

کوئی ہو محرمِ شوخی ترا تو میں پوچھوں
کہ بزمِ عیش جہاں کیا سمجھ کے برہم کی

(غزل ٣٩٣ شعر ٢)

پھر یہی محبوب ظالم اور سفاک بادشاہوں، حکمرانوں اور فاتحوں کی ذات میں تبدیل ہو جاتا ہے. اب اس کی آمد تباہی کا باعث ہوتی ہے. اس کی راہوں میں خون کے دریا موجیں مارتے ہیں، لاشیں پڑی رہتی ہیں اور دھرتی کے سینے پر فوجوں کے قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہیں.

جہاں کو فتنے سے خالی کبھو نہیں دیکھا
ہمارے وقت میں تو آفت زمانہ ہوا

(غزل ٧٧ شعر ١)

نیمچہ ہاتھ میں، مستی سے لہو سی آنکھیں
سج تری دیکھ کے اے شوخ حذر ہم نے کیا

(غزل ١٠٣ شعر ١)

سنا ہے میں نے اے گھتیے ترے خلوت نشینوں سے
کہ تو دارو پیے ہے راتِ کو مل کر کمینوں سے

(دیوان سوم)

سواری اس کی ہے سر گرم گشت دشت مگر
کہ خیرہ تیرہ نمودار اک غبار ہے آج

(غزل ١٧٣ شعر ٤)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

مارا ہو ایک دو کو تو ہو مدعی کوئی
کشتوں کا اس کے روزِ جزا میں شمار کیا
(غزل ۱۰۴ شعر ۴)

جفائیں دیکھ یہاں، بےوفائیاں دیکھیں
بھلا ہوا کہ تری سب برائیاں دیکھیں
تری گلی سے سدا اے کشندۂ عالم
ہزاروں آئی ہوئی چارپائیاں دیکھیں
(غزل ۲۵۳ شعر ۱-۲)

صد خانمان خراب ہیں ہر ہر قدم پہ دفن
کشتہ ہوں یار، میں تو ترے گھر کی راہ کا
ظالم زمیں سے لوٹتا دامن اٹھا کے چل
ہوگا کمیں میں ہاتھ کسو داد خواہ کا
(غزل ۳۴ شعر ۱-۲)

کس تازہ مقتل پہ کشندے ترا ہوا ہے گزارا آج
زہ دامن کی بھری ہے لہو سے، کس کو تونے مارا آج
(دیوانِ پنجم)

حنا سے یار کا پنجہ نہیں ہے گل کے رنگ
ہمارے ان نے کلیجوں میں ہاتھ ڈالا ہے
(غزل ۴۹۱)

نہ ہو کیوں غیرتِ گلزار وہ کوچہ خدا جانے
لہو اس خاک پر کن کن عزیزوں کا بہا ہوگا
(غزل ۶۵)

فتنے فساد اٹھیں گے، گھر گور میں خون ہوگا
گر شہر میں خراماں وہ خانہ جنگ آیا
(غزل ۱۲۵ شعر ۱)

کاٹ کے سر عاشق کا ان نے اور بھی پگڑی پھیر رکھی
فخر کی کون سی جاگہ تھی یاں، ایسا کیا رستم مارا
(دیوانِ پنجم)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

حاکم شہر حسن کے ظالم کیونکہ ستم ایجاد نہیں
خون کسو کا کوئی کرے ، واں داد نہیں فریاد نہیں
کیا کیا مردم خوش ظاہر ہیں عالم حسن میں نام خدا
عالم عشق خرابہ ہے ، یاں کوئی گھر آباد نہیں
(غزل ۳۱٤ شعر ۱ـ۲)

جس راہ ہوکے آج میں پہونچا ہوں تجھ تلک
کافر کا بھی گزار الٰہی ادھر نہ ہو
یک جا نہ دیکھی آنکھوں سے ایسی تمام راہ
جس میں بجائے نقشِ قدم ، چشمِ تر نہ ہو
ہر اک قدم پہ لوگ ڈرانے لگے مجھے
ہاں ہاں کسو شہید محبت کا سر نہ ہو
چلیو سنبھل کے ، سب یہ شہیدانِ عشق ہیں
تیرا گزار تاکہ کسو نعش پر نہ ہو
دامن کشاں ہی جاکہ طپش پر طپش ہے دفن
زنہار کوئی صدمے سے زیر و زبر نہ ہو
لیکن عبث ، نگاہ جہاں کریے اس طرف
امکان کیا کہ خوں مرے تا کمر نہ ہو
حیراں ہوں میں کہ ایسی یہ مشہد ہے کون سی
مجھ سے خراب حال کو جس کی خبر نہ ہو
آتا ہے یہ قیاس میں اب تجھ کو دیکھ کر
ظالم جفا شعار ترا رہ گزر نہ ہو
(غزل ۳۲۵)

یہ جفا شعاری شہروں ہی کی نہیں دل کی خرابی کا بھی باعث ہے جسے میر نے تشبیہ کی شکل میں پیش کیا ہے ۔

دل کی آبادی کی اس حد ہے خرابی کہ نہ پوچھ
جانا جاتا ہے کہ اس راہ سے لشکر نکلا ۔
(غزل ۳۸ شعر ٤)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

شام سے کچھ بجھا سا رہتا ہے
دل ہوا ہے چراغ مفلس کا
(غزل ۱۳ شعر ۲)

محبوب کے اس تصور کے پیچھے حالات زمانہ کا ایک سماجی شعور ہے اور ان بظاہر سادہ شعروں کی تہ میں دبا ہوا ایک احتجاج ہے۔

اپنے بعض دوسرے شعروں میں میر نے بادشاہوں کے جلوس کے مقابلے میں مظلوموں کی مظلومیت کو شان و شکوہ عطا کیا ہے۔

ہم بھی چلتے ہیں یک حشم لے کر
دستۂ داغ و فوجِ غم لے کر
دست کش نالہ پیش رو گریہ
آہ چلتی ہے یاں علم لے کر

اور یہ قافلے دوبارہ اٹھنے کے لئے موت کی منزل میں پڑاؤ ڈالتے ہیں۔

مرگ اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر
(غزل ۱۹۵ شعر ۱، ۲، ۳)

اس کے بعد ہی میر کی اس عجیب و غریب امیجری کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے جو کسی اردو یا فارسی شاعر کے یہاں کم سے کم میری نظر سے نہیں گزری ہے۔

اگتے تھے دستِ بلبل و دامانِ گل بہم
صحنِ چمن نمونۂ یوم الحساب تھا
(غزل ۲۴ شعر ۱)

تڑپ کے خرمن گل پر کبھی گرا ے بجلی
جلانا کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا
(غزل ۳۳۔ شعر ۷)

کسی شاعر نے اپنے محبوب کو اس طرح نہیں کوسا ہے

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

اور کسی عاشق نے معشوق کے لئے اتنے سخت الفاظ استعمال نہیں کیے ہیں. لیکن جب ہم اس غزل کے ابتدائی اشعار دیکھتے ہیں (جو میر کی اور بھی کئی غزلوں کی طرح مسلسل ہے) تو گل کے چہرے سے معشوقیت اور محبوبیت کی نقاب اٹھ جاتی ہے اور جسے میر نے گل کہا ہے وہ زندگی کے پہلو کا کانٹا معلوم ہونے لگتا ہے.

سنا ہے حال ترے کشتگاں بچاروں کا
ہوا نہ گور گڑھا ان ستم کے ماروں کا
ہزار رنگ کھلے گل چمن کے ہیں شاہد
کہ روزگار کے سر خون ہے ہزاروں کا
ملا ہے خاک میں کس کس طرح کا عالم یاں
نکل کے شہر سے ٹک سیر کر مزاروں کا
تڑپ کے خرمنِ گل پر کبھی گرائے بجلی
جلاں کیا ہے مرے آشیاں کے خاروں کا

(غزل ۳۳ شعر ۱،۲، ۳، ۷)

ان شعروں میں غالب کی شاعری کے عاشق کی انانیت اور خود پرستی نہیں ہے بلکہ ایک مظلوم اور جھنجھلائے ہوئے بیدماغ آدمی کا جذبۂ انتقام ہے. بعض دوسرے اشعار میں میر اور بھی کھل گئے ہیں.

اس دشت میں اے سیل سنبھل ہی کے قدم رکھ
ہر سمت کو یاں دفن مری تشنہ لبی ہے

(غزل ٤٥٥)

کوئی تجھ سا بھی کاش تجھ کو ملے
مدعا ہم کو انتقام سے ہے

(غزل ٤٩٩، شعر ۳)

ہاتھ دامن میں ترے مارتے جھنجھلا کے نہ ہم
اپنے جامے میں اگر آج گریباں ہوتا

(غزل ۱۲۲)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

گیا حسن خوبانِ بد راہ کا
ہمیشہ رہے نام اللہ کا

(غزل ۱۲۶ شعر ۱۰)

شیکسپیر کے مشہور ڈرامے میکبتھ میں جب اپنے مجرم ضمیر کی ستائی ہوئی لیڈی میکبتھ خواب میں چلتی ھے تو وہ اپنے ہاتھوں کو اس انداز سے ملتی رہتی ہے جیسے انہیں دھونے کی کوشش کررہی ہو لیکن خون بے گناہ کے دھبے کسی طرح نہیں چھوٹتے اور وہ بڑبڑاتی ہے کہ عرب کا عطر بھی اس کے ہاتھوں سے خون کی بو کو دور نہیں کرسکتا. میر کا وہ محبوب بھی جو سفاک بادشاہوں اور خون ریز فاتحوں کا کنایہ ہے اپنے ہاتھ ملتا رہتا ہے. اس نے اپنی آرائش مظلوموں کے خون سے کی ہے (غزل ۱۴۱) انسانوں کے کلیجوں میں ہاتھ ڈالا ہے تب ہتھیلیوں نے حنا کا رنگ اختیار کیا ہے (غزل ۴۹۱) اور یہ خون ہے کہ کسی طرح نہیں چھوٹتا.

کیا ہے خون مرا پامال یہ سرخی نہ چھوٹے گی
اگر قاتل؛ تو اپنے ہاتھ سو پانی سے دھووے گا

(غزل ۸۵، شعر ۲)

جم گیا خون کفِ قاتل پہ ترا میر زبس
ان نے رو رو دیا کل ہاتھ کو دھوتے دھوتے

(غزل ۴۴۷)

یہ جنون کی کیفیت ہے جسے عام اصطلاح میں خون چڑھنا کہتے ہیں اور میر نے ایک جگہ اس کو یوں بیان کیا ہے.

خون کم کر اب کہ کشتوں کے تو پشتے لگ گئے
قتل کرتے کرتے تیرے تئیں جنون ہو جائے گا

(غزل ۹۰)

اور جب ہم میر کا یہ شعر پڑھتے ہیں تو آج بھی دو سو برس پہلے کی خون میں لتھڑی ہوئی دلی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے.

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

شش جہت سے اس میں ظالم بوئے خوں کی راہ ہے
ترا کوچہ ، ہم سے تو کہہ ، کس کی بسمل گاہ ہے
(غزل ٤٣٦)

غالباً میر کے وہ اشعار جن میں عاشقانہ نیاز مندی کی کمی ہے محبوب کے اسی تصور سے تعلق رکھتے ہیں.

وجـہ بیگانگی نہیں معلوم
تم جہاں کے ہو واں کے ہم بھی ہیں
اپنا شیوہ نہیں کجی ، یوں تو
یار جی ٹیڑھے بانکے ہم بھی ہیں
(غزل ٢٨٢ ، شعر ٥-٦)

رکھا ہے اپنے تئیں روک کر ورنہ
سیاہ کردیں زمانے کو ہم جو آہ کریں
اگر اٹھیں گے اس حال سے تو کہیو تو
جو روزِ حشر تجھی کو نہ عذر خواہ کریں
(غزل ٢٤١ ، شعر ٣٠٢)

بہت ممکن ہے اسی تصور نے میر کو واسوخت لکھنے پر اکسایا ہو. یہ بات اہم ہے کہ اردو میں واسوخت کی ابتدا میر نے کی ہے اور واسوخت اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا جب تک محبوب کے لئے جذبۂ احترام میں کمی نہ ہو. اور یہ عاشق پیشہ شاعروں کا شیوہ نہیں ہے جیسا کہ حافظ نے کہا ہے کہ « ہیچ عاشق سخن سخت بہ معشوق نہ گفت »

محبوب کے احترام میں کمی کے جذبے کی غمازی وہ اشعار بھی کرتے ہیں جن میں میر نے وصال کے مضمون کو مبتذل بنادیا ہے.

ان کے یہاں وصل کی تین کیفیتیں ملتی ہیں. ایک تو وہ ہلکی کیفیت ہے جس میں وہ محبوب کے گال کاٹتے ہیں اور نشے میں دھت معشوق کی راتوں کو اٹھ اٹھ کر خبر لیتے ہیں. (ایسے اشعار انتخاب میں شامل نہیں ہیں).

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

دوسری کیفیت وہ ھے جہاں وصل کی لذت درد و غم کے تھاہ سمندر میں ڈوب جاتی ہے اور عاشق کی مفلسی اور مظلومی کی غمازی کرتی ہے ۔

آج ہمارے گھر آیا تو کیا ہے یاں جو نثار کریں
الا کھینچ بغل میں تجھ کو، دیر تلک ہم پیار کریں

(غزل ۲۷۲ شعر ۱)

بھری آنکھیں کسو کی پونچھتے گر آستیں رکھتے
ہوئی شرمندگی کیا کیا ہمیں اس دستِ خالی سے

(غزل ۴۸۱ شعر ۱)

تیسری کیفیت خالص نشاط کی ھے اور یہ اشعار بہت کم ہیں

سب مزے در کنار عالم کے
یار جب ہم کنار ہوتا ہے

(غزل ۵۱۸ شعر ۱)

برافروختہ رخ ہے اس کا، کس خوبی سے مستی میں
پی کے شراب شگفتہ ہوا ہے، اس نو گل پہ بہار ہے آج
اس کا بحرِ حسن سراسر اوجِ موج و تلاطم ہے
شوق کی اپنے، نگاہ جہاں تک جاوے، بوس و کنار ہے آج

(غزل ۱۷۲ شعر ۲۰۱)

قربان پیالۂ مے ناب
جس سے کہ ترا حجاب نکلا

(ضمیمہ غزل شعر ۲)

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ میر کے یہاں وصال کا ابتذال درد و کرب اور خالص نشاط سب کچھ ہونے کے بعد بھی انکا کلام وصال کی اس سادہ لذت اور معشوق نوازی کی کیفیت سے خالی ہے جس کی مثال ان کے پیش رو ولی دکنی کی غزلوں میں ملتی ہے جیسے ۔

سجن تم مکھ ستی الٹو نقاب آہستہ آہستہ
کہ جیون گل سے نکستا ہے گلاب آہستہ آہستہ
عجب کچھ لطف رکھتا ہے شب خلوت میں گلرو سوں
خطاب آہستہ آہستہ، جواب آہستہ آہستہ

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

اور نہ اُن کے یہاں غالب کا یہ انداز ملتا ہے کہ محبوب کے ساتھ مل کر زمین اور آسمان کو تہ و بالا کردیں (« بیا کے قاعدۂ آسمان بگردانیم ») اس کے بر عکس میر اپنے جفا پیشہ محبوب کو تبدیل کرنے کے لئے زمانے سے انقلاب کے خواہش مند ہیں اور اس دنیا کی نئی بنیادیں رکھنا چاہتے ہیں۔

شاید کہ قلب یار بھی ٹک اس طرف پھرے
میں منتظر زمانے سے ہوں انقلاب کا
(غزل ۱۱٦)

سر دورِ فلک بھی دیکھوں اپنے رو برو ٹوٹا
کہ سنگِ محتسب سے پائے خم دستِ سبو ٹوٹا
(غزل ۸۰ شعر ۱)

یہ دور تو موافق ہوتا نہیں، مگر اب
رکھیے بنائے تازہ اس چرخ چنبری کی
(غزل ۳۹٤ شعر ۲)

اوپر کے شعر میں انقلاب کا منظر آج کے زمانے کے مطابق سیاسی اور سماجی تبدیلی کے لئے استعمال نہیں ہوا ہے - اس کا مطلب صرف غلبہ اور انتشار کے دور کا خاتمہ ہے یہ انداز اور رجحان در اصل عاشق اور معشوق کی دوئی کا پتہ دیتا ہے اور فرد اور سماج، انسان اور زمانے کے ٹکراؤ کو ظاہر کرتا ہے۔

میر کی شاعری میں دو اور محبوب جھلکتے ہیں اوز یہ دونوں ایک دوسرے سے قریب ہیں، ایک تو میر کا ذاتی محبوب معلوم ہوتا ہے اس کا نام انھوں نے کہیں نہیں لیا اور کبھی کبھی وہ ان اشعار میں بھی جلوہ گر ہوتا ہے جن میں بظاہر محبوب کا کوئی ذکر بھی نہیں ہے، یا تو محبوب کی آمد ہے، یا رخصت ہے عاشق کا اس کی گلی سے نکلنا ہے یا اس کی محفل میں پہونچنا ہے، ان شعروں میں وہ کیفیت ہے جو عظیم عشقیہ شاعری کی جان ہے، ایک مہذب درد، ایک لذت سے بھری ہوئی کسک اور دل کی ایک

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

ایسی دھڑکن جو لفظوں میں منتقل ہوجاتی ہے۔

رات مجلس میں تری ہم بھی کھڑے تھے چپکے
جیسے تصویر لگادے کوئی دیوار کے ساتھ
(غزل ۳۵۸ شعر ۱)

وے تو کھڑے کھڑے مرے گھر آکے پھر گئے
میں بے دیار و بیدل و بے خانماں ہوا
(غزل ۱۵۱ شعر ۲)

ترے فراق میں جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکرِ پریشان، کہاں کہاں میری
(غزل ۳۸۹ شعر ٤)

کچھ گل سے ہیں شگفتہ، کچھ سرو سے ہیں قدکش
اس کے خیال میں ہم، دیکھیں ہیں خواب کیا کیا
(غزل ۹٤)

جیسے حسرت لیے جاتا ہے جہاں سے کوئی
آہ یوں کوچۂ دلبر سے سفر ہم نے کیا
(غزل ۱۰۳ شعر ۳)

پھر کچھ نہ دیکھا بجز اک شعلۂ پر پیچ و تاب
شمع تک تو ہم نے دیکھا تھا کہ پروا نہ گیا
(غزل ۵۸ شعر ۱)

گل ہو، آئینہ ہو، مہتاب ہو، خورشید ہو میر
اپنا محبوب وہی ہے جو ادا رکھتا ہو
(غزل ۳۲٦)

پھول گل، شمس و قمر، سارے ہی تھے
پر ہمیں ان میں، تمہیں بھائے بہت
(غزل ۱٦۸ شعر ۱)

چلا نہ اٹھ کے وہیں چپکے پھر تو میر
ابھی تو اس کی گلی سے پکار لایا ہوں
(غزل ۲۵۲)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی، دعا کر میر
کہ اب جو دیکھوں اسے میں، بہت نہ پیار آوے
(غزل ۵۰۵ شعر ۵)

اس محبوب کے سامنے میر نہ بیدماغ ہیں نہ سرکش. صرف معصومیت، عاجزی، مسکینی اور ایک مہذب نیاز مندی ہے.

ہم فقیروں سے بے ادائی کیا
آن بیٹھے جو تم نے پیار کیا
(غزل ۴۷ شعر ۴)

دور بیٹھا غبار میر اس سے
عشق بن یہ ادب نہیں آتا
(غزل ۶۰ شعر ۲)

اس محبوب کا سراپا فطرت سے ہم آہنگ ہے. اس کے جسم کی ترکیب برگ گل سے ہے، اس کا منہ کھلنے سے چاندنی چھٹکتی ہے، کلیوں نے کم کم کھلنا اس کی نیم باز آنکھوں سے سیکھا ہے، گل کی شاخوں نے اس کے قامت سے انگڑائیاں لینے کا انداز اختیار کیا ہے اور اس سے ہم آغوشی زمین و آسمان کو بوس و کنار میں غرق کر دیتی ہے. یہ فطرت کا اتنا نکھرا ہوا روپ ہے کہ اس کے سامنے پھول کے منہ سے باس آنے لگتی ہے اور سرو بھونڈا اور بھدا دکھائی دینے لگتا ہے. اس کی پاکیزگی اور لطافت کا یہ عالم ہے کہ بدن ہاتھ لگتے میلا ہوتا ہے، یہ فطرت کا کنایہ ہے اور اس سے ہم آغوشی فطرت سے ہم آہنگ ہونے کی خواہش ہے جو صوفیانہ طرز فکر میں، جس کے وارث اردو کے تمام کلاسیکی شعراء ہیں، نہایت اہم درجہ رکھتی ہے.

فطرت سے ہم آہنگی کے جذبے نے کبھی کبھی موت کی خواہش کی شکل بھی اختیار کی ہے. یہ بڑی حسین صورت میں ظاہر ہوتی ہے. زندگی کے اختصار کو میر نے بار بار بوئے گل اور نوائے بلبل سے تشبیہ دی ہے. اس کا ثبات کلی کے تبسم کے برابر ہے. دنیا کسی شوخ کی قدم گاہ ہے جس میں گل کے چراغوں سے

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

روشنی ہو رہی ہے (غزل ٤١٧ شعر ٤) اس سے منہ پھیر کے چلے جانے کو کس کا جی چاہے گا (غزل ٤١٧ شعر ٥) پھر بھی فطرت سے ہم آہنگی کی خواہش ہے جس کی تکمیل صرف موت کے ذریعے سے ہو سکتی ہے

رنگِ گل و بوئے گل ہوتے ہیں ہوا دونوں
کیا قافلہ جاتا ہے، جو تو بھی، چلا چاہے

(غزل ٤٨٦ شعر ٢)

برنگ بوئے گل اس باغ کے ہم آشنا ہوتے
کہ ہمراہِ صبا ٹک سیر کرتے اور ہوا ہوتے

(غزل ٤١٦ شعر ١)

آہ کی میں دلِ حیران و خفا کو سونپا
میں نے یہ غنچۂ تصویر صبا کو سونپا

(غزل ٨٧ شعر ١)

صوفیانہ طرزِ فکر میں موت کے دو اور پہلو بھی ہیں اور وہ بھی میر کے یہاں نمایاں ہیں. معشوق حقیقی سے وصال یا فطرت سے ہم آہنگی جو رنگ و بوئے گل اور باد صبا کے ہم سفر ہونے کے برابر ہے، اس کے ساتھ ساتھ موت ایک فطری عمل بھی ہے اور اس کی اس فطری خصوصیت سے ظالموں اور امیروں کو عبرت دلائی گئی ہے.

منعم نے بنا ظلم کی رکھ گھر تو بنایا
پر آپ کوئی رات ہی مہمان رہے گا

(غزل ١٠ شعر ١)

بے زری کا نہ کر گلا غافل
رہ تسلی، کے یوں مقدر تھا
اتنے منعم جہان میں گزرے
وقت رحلت کے کس کنے زر تھا
صاحبِ جاہ و شوکت و اقبال
اک ازاں جملہ اب سکندر تھا
تھی یہ سب کائنات زیر نگیں
ساتھ مور و ملخ سا لشکر تھا

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

لعل و یاقوت، ہم زر و گوہر
چاہیے جس قدر، میسر تھا
آخر کار جب جہاں سے گیا
ہاتھ خالی کفن سے باہر تھا
(غزل ۷۳ شعر ٤ ـ ۹)

کل پانوں ایک کاسۂ سر پر جو آگیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ، بے خبر
میں بھی کبھو کسو کا سر پر غرور تھا
(غزل ۳ شعر ۵، ٦)

یہ وہ منزل ہے جہاں پہونچ کر امیر اور غریب برابر ہو جاتے ہیں. چونکہ اس عہد میں معاشی مسائل اور طریق پیداوار اتنے ترقی یافتہ نہیں تھے کہ مساوات کا تصور زندگی میں ممکن ہوتا اس لیے موت اس خواہش کی تکمیل کرتی تھی. یہ تصور بھگتی کی کوتا اور مسٹک (Mystic) شاعری میں بھی عام ہے. چکوسلواکیہ میں ایک مقام تابو رہے. اس کے میوزیم میں قرون موسطیٰ کی عیسائی صوفی تحریک مسٹی سزم (Mysticism) کے ایک رہنما یان ہس (Jan Huss) کی یادگاریں محفوظ ہیں اور اس دور کے بعض شعرا کی نظمیں بھی رکھی ہوئی ہیں. ایک شاعر کی نظم میں یہ شعر پڑھ کر کہ «موت عصائے شاہی اور کسان کے ہل کو ایک ہی قبر میں سلا دیتی ہے» مجھے بیساختہ میر کا شعر یاد آگیا.

سب ہیں یکساں جب فنا یک بارگی طاری ہوئی
ٹھیکرا اس مرتبے میں کیا، سرِ فغفور کیا
(دیوان دوم)

اس سے ملتا جلتا موت کا یہ پہلو بھی ہے کہ وہ دکھ درد کو ختم کر دیتی ہے جسکا خاتمہ زندگی میں ممکن نہیں. اس لیے یہ سکون اور آرام کی تلاش ہے.

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

کیا سیر اس خرابے کا بہت اب چل کے سو رہیے
کسو دیوار کے سایے میں منہ پر لے کے داماں کو
(غزل ۳۱۹ شعر ۸)

فکر معاش، یعنی غمِ زیست تا بہ کے
مر جائیے کہیں کہ ٹک آرام پائیے
(غزل ٤٦١ شعر ۲)

پھر نہ آئے، جو ہوئے خاک میں جا آسودہ
غالباً زیرِ زمیں، میر، ہے آرام بہت
(غزل ۱٦۰)

میر کے یہاں بہت سے اشعار میں یہ احساس بھی ملتا ہے کہ موت حرکت اور تبدیلی کا نام ہے۔

چشم ہو، تو آئینہ خانہ ہے دہر
منہ نظر آتا ہے، دیواروں کے بیچ
ہیں عناصر کی، یہ صورت بازیاں
شعبدے کیا کیا ہیں ان چاروں کے بیچ
(غزل ۱۷٤)

ہر جز رو مد سے دست و بغل اٹھتے ہیں خروش
کس کا ہے راز بحر میں یارب کے ہیں یہ جوش
ابروئے کج ہے موج، کوئی چشم ہے حباب
موتی کسی کی بات ہے، سیپی کسی کا گوش
(دیوان اول)

یاں بلبل اور گل پہ تو عبرت سے آنکھ کھول
گل گشت سرسری نہیں اس گلستان کا
گل یادگار چہرۂ خوباں ہے بے خبر
مرغ چمن نشاں ہے کسو خوش زباں کا
(غزل ۸۴)

چراغان گل سے ہے یاں روشنی ٭ گلستان کسو کی قدم گاہ ہے
(غزل ٤۱۷ شعر ٤)

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

گل و سنبل ہیں نیرنگ قضا، مت سرسری گزرے
کہ بگڑے زلف و رخ کیا کیا بناتے اس گلستاں کو
(دیوانِ اول)

خاک آدم ہی ہے تمام زمیں
پاؤں کو ہم سنبھال رکھتے ہیں
(غزل ۲۵۵)

تھے ماہ و شاں کل جو، ان کوٹھوں پہ جلوے میں
ہے خاک سے آج ان کی، ہر صحن میں مہتابی
(غزل ۳۷۹ شعر ۱)

اسی میں یہ تصور شامل ہے کہ حقیقت ایک ہے، تصویریں بہت سی ہیں.

جلوہ ہے اسی کا سب، گلشن میں زمانے کے
گل پھول کو ہے ان نے پردہ سا بنا رکھا
(غزل ۸۹)

گہ گل ہے، گاہ رنگ، گہے باغ کی ہے بو
آتا نہیں نظر وہ طرح دار ایک طرح
نیرنگِ حسن دوست سے کر آنکھیں آشنا
ممکن نہیں و گر نہ ہو دیدار ایک طرح
(دیوانِ اول)

جاکے پوچھا جو میں یہ کارگہہ مینا میں
دل کی صورت کا بھی اے شیشہ گر اں ہے شیشہ
کہنے لاگے کہ کہاں پھرتا ہے بہکا اے مست
ہر طرح کا، جو تو دیکھے ہے کہ یاں ہے شیشہ
دل ہی سارے تھے یہ اگ وقت میں جو کر کے گداز
شکل شیشے کی بنائی ہے۔ کہاں ہے شیشہ
(غزل ۳۰۵)

اور اس تبدیلی کی وجہ سے فطرت کا حسن ہمیشہ تازہ اور جوان رہتا ہے.

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

کیا خوبی اس چمن کی موقوف ہے کسو پر
گل گر گئے عدم کو، مکھڑے نظیر آئے

(غزل ٤١١ شعر ٢)

پھول چہروں میں بدل جاتے ہیں، چہرے پھولوں میں، خاک سے آدمی بنتا ہے اور آدمی خاک ہو جاتا ہے۔ اس طرح موت اور زندگی ایک سلسلے کی کڑیاں بن جاتی ہیں اور ساری کائینات ایک وحدت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور میر کی شاعری کے تمام بکھرے ہوئے جلوے ایک صد رنگ گلستاں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔ اس میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی، بلبل بھی ہے اور صیاد بھی، نشیمن بھی ہے اور بجلی بھی، زندہ رہنے کی امنگ بھی ہے اور مر جانے کا حوصلہ بھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ یہ شاعری آج بھی عظیم ہے اور زمانے کے بدل جانے کے بعد بھی دو سو برس پرانی زبان میں ہمارے جذبات اور احساسات کا ساتھ دے رہی ہے۔

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

غزلوں کی نشاندہی

غزل نمبر								دیوان

(الف)

١	...			...		...	...	دوم
٢	...			...		...	...	سوم
٣	سے	٩٢	تک			...	...	اول
٩٣	سے	١٢٤	تک			...	...	دوم
١٢٥	سے	١٣٦	تک			...	...	سوم
١٣٧	سے	١٤٢	تک			...	...	چہارم
١٤٣	سے	١٥٠	تک			...	...	پنجم
١٥١	سے	١٥٣	تک			...	...	ششم

(ب)

١٥٤	...	...	...	...	اول
١٥٥	...	...	...	...	دوم
١٥٦	...	...	...	...	سوم
١٥٧	...	...	...	...	چہارم
١٥٨	...	...	...	...	پنجم

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

غزل نمبر				دیوان
		(ت)		
١٥٩	سے	١٦١	تک	اول
١٦٢	سے	١٦٦	تک	دوم
١٦٧	اور	١٦٨	... ...	سوم
١٦٩	...		... ...	چهارم
١٧٠	...		... ...	پنجم
		(ج)		
١٧١	...		... ...	اول
١٧٢	اور	١٧٣	... ...	پنجم
		(چ)		
١٧٤	...		... ...	اول
١٧٥			(دو غزلوں سے انتخاب)	اول و دوم
١٧٦			(دو غزلوں سے انتخاب)	دوم و پنجم
١٧٧			(تین غزلوں سے انتخاب)	دوم (٢) و سوم (١)
١٧٨	اور	١٧٩	... ...	چهارم
١٨٠	...		... ...	پنجم
		(د)		
١٨١	اور	١٨٢	... ...	اول

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

غزل نمبر		دیوان
	(د)	
۱۸۳	(دو غزلوں سے انتخاب)	اول و چہارم
۱۸٤	... ...	دوم
۱۸۵	... ...	سوم
	(ر)	
۱۸٦	سے ۱۹۷ تک	اول
۱۹۸	(دو غزلوں سے انتخاب)	دوم و چہارم
۱۹۹	... ...	دوم
۲۰۰	سے ۲۰۲ تک	سوم
۲۰۳	... ...	چہارم
۲۰٤	اور ۲۰۵	پنجم
۲۰٦	... ...	ششم
	(ز)	
۲۰۷	اور ۲۰۸	اول
۲۰۹	... ...	چہارم
	(س)	
۲۱۰	... ...	اول

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

غزل نمبر				دیوان
(ش)				
۲۱۱	...		...	اول
(ف)				
۲۱۲	...		...	اول
(ق)				
۲۱۳	...		...	دوم
(ک)				
۲۱٤	...		...	اول
(گ)				
۲۱۵	سے	۲۱۷	تک	دوم
(ل)				
۲۱۸	اور	۲۱۹	...	اول
(م)				
۲۲۰	سے	۲۲٤	تک	اول
۲۲۵	سے	۲۲۹	تک	دوم
۲۳۰	اور	۲۳۱	...	سوم
۲۳۲	...		...	چہارم
۲۳۳	...		...	ششم

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

غزل نمبر				دیوان
		(ن)		
٢٣٤	سے	٢٦٥	تک	... ... اول
٢٦٦	سے	٢٧٧	تک	... ... دوم
٢٧٨	سے	٣٠١	تک	... ... سوم
٣٠٢	سے	٣١٠	تک	... ... چهارم
٣١١	سے	٣١٤	تک	... ... پنجم
٣١٥	سے	٣١٨	تک	... ... ششم
		(و)		
٣١٩		(دو غزلوں سے انتخاب)		اول
٣٢٠	سے	٣٢٧	تک	... ... اول
٣٢٨	سے	٣٣٧	تک	... ... دوم
٣٣٨	سے	٣٤٧	تک	... ... سوم
٣٤٨	...		...	... ... چهارم
٣٤٩	...		...	... ... پنجم
٣٥٠	سے	٣٥٢	تک	... ... ششم
		(ہ)		
٣٥٣	سے	٣٥٨	تک	... ... اول
٣٥٩	سے	٣٦٢	تک	... ... دوم
٣٦٣	سے	٣٦٥	تک	... ... سوم

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

غزل نمبر						دیوان
			(ہ)			
۳٦٦	...		...	...	...	چہارم
۳٦۷	سے	۳٦۹	تک	...	...	پنجم
۳۷۰	اور	۳۷۱	...	...	...	ششم
			(ی)			
۳۷۲	سے	۳۹٤	تک	...	...	اول
۳۹۵	سے	٤۰۱	تک	...	...	دوم
٤۰۲	اور	٤۰۳	...	...	...	سوم
٤۰٤	اور	٤۰۵	...	...	...	چہارم
٤۰٦	اور	٤۰۷	...	...	...	پنجم
٤۰۸	...		...	...	...	ششم
			(ے)			
٤۰۹	سے	٤۷٤	تک	...	...	اول
٤۷۵	سے	۵۰۱	تک	...	...	دوم
۵۰۲	سے	۵۰۸	تک	...	...	سوم
۵۰۹	...		...	...	...	چہارم
۵۱۰	سے	۵۱۹	تک	...	...	پنجم
۵۲۰	سے	۵۲۲	تک	...	...	ششم
۵۲۳	...		...	...	...	؟
۵۲٤	سے	۵۲۷	تک	...	...	ششم

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri

Kashmir Treasure Collection.Digitization by eGangotri